ابتدا تیرے نام سے

قارئین کرام! جاتی سردیوں کے یہ بھیگے ہوئے دن غنیمت ہیں، جنہوں نے آتی گرمیوں کو چند دن اور آگے دھکیل دیا ہے۔ ورنہ اب سردیاں تو سال بہ سال مختصر تر ہوتی جاتی ہیں۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمارے ملک کو اللہ نے چاروں موسم دیئے ہیں اور ان موسموں کی ساری نعمتیں بھی۔

حالات یہ ہیں کہ چار ہلاکتوں کے ذمہ دار ریمنڈ ڈیوس کے سی آئی اے سے تعلق کا امریکہ نے اعتراف کرلیا ہے مگر اس اعتراف کے باوجود اسے سفارتی استثنیٰ حاصل ہونے کی رٹ نہیں چھوڑی۔ اخباری ذرائع نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ امریکہ نے ہمارے اعلیٰ حکومتی عہدیداروں کو ملک سے باہر ان کے اثاثے منجمد کرنے اور عدالتی کیسز دوبارہ کھولنے کی دھمکی دی ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے گزشتہ دس سالوں سے ہمارے ملک اور خطے میں جو تماشا جاری ہے، اب اس کی واقعاتی کڑیاں ملتی جاتی ہیں اور منظر بے حد واضح ہونے لگا ہے۔ یہ سب ایک سوچے سمجھے اور قدم بہ قدم آگے بڑھتے ہوئے کھیل کے مراحل ہیں۔ این آر او زدہ کرپٹ سیاسی قیادت امریکہ کی مٹھی میں ہے۔ پاکستان کی فوج اور سکیورٹی ایجنسیوں کو تعاون پر مجبور کر دیا گیا ہے کیونکہ ہم مقروض ہیں اور بھکاریوں کے پاس کوئی چوائس نہیں ہوتی۔ ہماری سکیورٹی ایجنسیاں بھی عوام کے سامنے جوابدہ ہیں کہ یہ کیا تعاون ہے جو غلامی جیسا ہے۔ امریکہ اور دیگر یورپی ملکوں سے غیر ملکیوں کو دھڑا دھڑ ویزے کیوں جاری کیے گئے ہیں؟ سیلاب کے دنوں میں جب امریکی حکومت یہ واویلا مچا رہی تھی کہ دینی اور جہادی تنظیمیں جان و مال سے ہم وطنوں کی مدد کیوں کر رہی ہیں، اُس وقت اسی سیلاب کے بہانے جن ہزاروں غیر ملکیوں کو ویزے جاری کیے گئے تھے، کیا وہ سب سیلاب زدگان کی مدد کرنے آئے تھے؟ ہمارے آرمی چیف اور سکیورٹی ایجنسیوں کے سربراہان کو لمحے بھر رُک کر یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ ان کی پہلی اور آخری ذمہ داری تو پاکستان اور اہل پاکستان کا تحفظ کرنا تھی۔ وہ دباؤ کا سامنا کرتے کرتے اور اسے مصلحتوں کا نام دیتے دیتے اصل راہ سے کتنا دور ہٹ گئے ہیں۔ حالات کی کوئی بھی تعبیر، نقطہ نظر کی کوئی بھی اُپج، کوئی فکری مُوشگافی موجودہ حالات اور امریکی رویّے کو Justify نہیں کرسکتی۔

اللہ کرے امریکہ کا یہ تکبر ہمارے لئے فیصلہ کن ثابت ہو۔ یہ ظلم اور ناانصافی کی انتہا ہمارے اجتماعی ضمیر کو جگا ڈالے اور عوامی احتجاج کا ریلا پاکستان میں موجود امریکیوں اور امریکہ کے ہاتھ بکے ہوئے حکمرانوں کو ایک ساتھ غرق کردے۔ چند مٹھی بھر افراد کی کرپشن اور ظلم سے کمائی ہوئی دولت کے بدلے پوری قوم کو رہن رکھ دیا گیا ہے۔ ان کی ہوسِ اقتدار نے امریکہ کی ہر بات مان کر ستر ہ کروڑ عوام کی زندگیوں میں اندھیرے بھر دیئے ہیں۔ کوئی باری لے رہا ہے کوئی صبر سے باری کے انتظار میں بیٹھا ہے چاہے عوام پر کچھ بھی بیت جائے۔ یہی کرسیوں سے چمٹے ہوئے کردار جب اقتدار سے باہر ہوتے ہیں تو قوم کا غم ایسے کھاتے ہیں جیسے ان سے بڑھ کر مخلص، حق گو اور اصول پرست انسان کوئی نہیں۔

آج پوری اسلامی دنیا انقلابات کی زد میں ہے۔ تیونس اور مصر سے شروع ہونے والی عوامی بیداری یمن، بحرین اور لیبیا کو بھی اپنی

لپیٹ میں لے چکی ہے۔ ہر جگہ عوام حکومتوں کے ساتھ کشمکش میں ہیں اور عوامی امنگوں اور حکومتوں میں شدید ٹکراؤ کی کیفیت ہے۔ الحمدللہ امت کے سوادِ اعظم نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دین وملت کے خلاف ہونے والی سازشوں سے نہ صرف باخبر ہیں بلکہ اپنی حالت کو بدلنے کے لئے اپنے اپنے خطوں میں عوامی امنگوں کے خلاف کام کرنے والی حکومتوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں جن کو سالہا سال سے بزورا اُن پر مسلط رکھا گیا ہے۔ ہمارے حکمرانوں اور حکمرانی کا انتظار کرنے والوں کو بھی عوامی غضب کے اس لمحے سے بچنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔

''بتول'' میں اپنی نگارشات بھیجنے والوں سے چند گزارشات مطلوب ہیں۔ ویسے تو تحریروں کے لئے اصول وقواعد اکثر درج کر دیے جاتے ہیں اور ان کے نتیجے میں بہتری بھی آئی ہے مگر ایک مسئلہ ابھی تک شدت سے درپیش ہے اور وہ یہ کہ تحریریں ہمارے کالموں کے مطابق لکھی نہیں ہوتیں۔ پھر یا تو انہیں مسترد کرنا پڑتا ہے یا کالم کے قابل بنانے کے لئے بے حد محنت اور وقت درکار ہوتا ہے۔ ہمارے اکثر کرم فرما، جو کچھ اور جیسے ذہن میں آتا ہے، تحریر کر کے روانہ کر دیتے ہیں اور پھر شکوہ کرتے ہیں کہ شائع کیوں نہیں ہوا اور یہ فرمائش بھی کہ آپ ہماری غلطیاں ہمیں بتائیں ''بتول'' کے صفحات منتشر خیالات کے لئے نہیں ہیں۔ ہر بات کو ایک سلیقے اور طریقے سے بیان کرنا ہوتا ہے، اسی کا نام ادب ہے جس کے بہت سے مظاہر ہیں اور جن کے لئے بتول کا دامن تنگ نہیں ہے۔ کالموں کی بے شمار ورائٹی موجود ہے جس میں طویل، مختصر، تجزیاتی، ادبی، صحافتی، فکاہیہ، خطوط، اقتباسات ہر قسم کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ صرف اتنی درخواست ہے کہ اوّل: لکھنے سے پہلے اپنے خیالات کو ترتیب دے لیں۔ جو بات آپ کہنا چاہتے ہیں وہ پہلے سے آپ کے ذہن میں واضح ہونی چاہیے۔ دوم: ہمارے جس کالم میں اس قسم کے خیالات شائع ہوتے ہیں، اپنی تحریر کو اس کالم کا نام دے دیں۔ سوم: اب اس کالم کے جو تقاضے ہماری طرف سے مانگے گئے ہیں وہ ملحوظ رکھ لیں مثلاً شکل، طوالت، مزاج وغیرہ۔ اس طرح ہمیں بھی تبصرہ کرنے میں آسانی ہوگی اور خامی کو انگلی رکھ کر بتانا ممکن ہوگا تاکہ اصلاح کے خواہش مند لکھاری اصلاح کر سکیں۔

بعض لوگ دوسروں کی لکھی ہوئی تحریریں خاص کر شاعری لکھ کر بھیجتے ہیں اور نیچے اپنا نام لکھ دیتے ہیں۔ اگر تو آپ کو وہ پسند آئی ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ اور لوگ بھی پڑھیں، تو اصل لکھنے والے کا نام ضرور درج کریں، پھر نیچے ''انتخاب'' لکھ کر اپنا نام پتہ لکھیں اور اگر آپ کی خواہش ہے کہ کسی کی یہ تحریر آپ کے نام سے شائع ہو جائے تو یہ نالائقی ہی نہیں، بددیانتی بھی ہے۔ ایسی حرکت اللہ اور بندوں کی نظر سے انسان کو گرا دیتی ہے۔

دعاگو

صائمہ اسما

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

نبی ﷺ کی شفاعت

کسے ملے گی.....کیسے ملے گی.....سفارش کے حصول کا قرآنی نسخہ

مسلمانوں میں ''شفاعت'' کا تصور بہت خوش آئند وخوش کن ہے۔ بڑے، چھوٹے، خواتین وحضرات سب شفاعت کی امید پہ جی رہے ہیں اور شفاعت کی امید پر اپنے گناہوں میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں اور کوئی کمی کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ بے شک شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ملنا نعمتِ عظمیٰ ہے۔ وہ بہت ہی خوش بخت ہوگا جس کو حضورؐ کی طرف سے سفارش نصیب ہو جائے۔

شفاعت کے کیا معنی ہیں؟ سفارش کرنا، کسی کی محنت، کوشش، عبادت وعمل، اطاعت گزاری میں بشری وانسانی کمزوریوں کی بنا پر کوئی جھول رہ جائے تو اس پر مواخذہ نہ کرنے کی درخواست کرنا۔ کسی کمی، کوتاہی، خطا، غلطی پر چشم پوشی کرنے اور درگزر کرنے کی درخواست کرنا..... رعایت دلانا مثلاً کامیاب ہونے کے لیے اگر کسی پرچے میں چالیس نمبر درکار ہیں.....امتحان دینے والے نے ایک یا دو نمبر کم حاصل کیے۔ اس کو ایک دو نمبر کسی کی سفارش اور توجہ سے حاصل ہو جائیں تو وہ رعایتی طور پر کامیاب قرار پائے گا۔

گویا کہ رعایتی نمبر لینے، سفارش کروانے، شفاعت حاصل کرنے کے لیے انتالیس نمبر لینے کی شرط تو پوری کرنا ہی پڑے گی۔

یا پھر زیادہ مضامین میں کامیابی شاندار ہے مگر کسی ایک پرچے کا امتحان قابل قبول عذر کی بنا پر دیا ہی نہیں گیا تو باقی مضامین کی شاندار کامیابی کو دیکھتے ہوئے اس ایک مضمون کی ناکامی سے صرفِ نظر کر لیا جائے، کسی کی سفارش پر۔ اسی طرح زندگی کے بہت سے مرحلے ایسے ہوتے ہیں جہاں سفارش اسلامی نقطۂ نظر سے بھی جائز ہوتی ہے۔

پوری زندگی ایک امتحان ہے اور اس میں بے شمار پرچے ہیں۔ کسی بھی انسان کے لیے سو فیصد نمبر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ ہی ہر مسلمان کی اخروی کامیابی پر آخری دلیل ہے۔

سفارش اور شفاعت کے بارے میں رب کائنات کے کیا ارشادات ہیں؟ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر شفاعت کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

''ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا، نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔ نہ کوئی سفارش ہی آدمی کو فائدہ دے گی۔ نہ مجرموں کو کہیں سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔'' (بقرہ۲:۱۲۳)

''کون ہے؟ جو اُس (اللہ تعالیٰ) کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ (آیت الکرسی)

(اپنے کرتوتوں کی وجہ سے گرفتار ہو کر آنے والے کا حال یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی شفاعت کرانے والا نہ پائے گا۔'' (انعام۷۰)

اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ ''جو کچھ ہم نے تمھیں دنیا میں دیا تھا، وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اب تو ہم تمھارے ساتھ اُن سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم زعم رکھتے تھے کہ تمھارے کام بنانے میں ان کا کوئی حصہ ہے۔ کوئی شفاعت کرنے والا نہیں الا یہ کہ اس (اللہ تعالیٰ) کی اجازت کے بعد شفاعت (سفارش) کرے۔'' (یونس۳)

گویا کہ شفاعت کرنے کا دارومدار ہرگز کسی کی اپنی مرضی کے مطابق نہ ہوگا۔ آخرت میں صرف وہی شفاعت کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے۔

''اس روز شفاعت کارگر نہ ہوگی، الا یہ کہ کسی کو رحمان اس کی اجازت دے اور اس کی بات سننا پسند کرے۔'' (طٰہٰ ۱۰۹)

اس کے بعد والی آیت مزید وضاحت کرتی ہے کہ سفارش کرنے والوں کو کیا علم کہ جس کی سفارش کی جارہی ہے اس کا درحقیقت کچا چٹھہ کیا ہے؟

''وہ (اللہ تعالیٰ) لوگوں کا اگلا پچھلا سب حال جانتا ہے اور دوسروں کو اس کا پورا علم نہیں ہے۔'' (طٰہٰ ۱۱۰)

درحقیقت اسی کے لیے شفاعت کی جا سکے گی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اذن فرمائیں گے۔

''وہ سفارش نہیں کرتے بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پہ اللہ تعالیٰ راضی ہو۔'' (انبیاء ۲۸)

''اُس دن فیصلے کا آخری اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہو گا۔'' (الانفطار) اس طرح کی اور متعدد آیات ہیں جن کا لب لباب یہی ہے کہ فیصلے کے دن سفارش ان کے حق میں قبول کی جائے گی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے علم اور حکمت کے مطابق اجازت دیں گے۔

کیا ہر کوئی شفاعت کر سکتا ہے؟ اور ہر شفاعت قبول ہو جائے گی؟ جیسا کہ آیاتِ الٰہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ شفاعت کرنے کی ہر کسی کو اجازت نہ ہو گی..... یہ بھی اللہ تعالیٰ اپنی منشا کے مطابق اجازت مرحمت فرمائیں گے، ہر شفاعت قبول نہیں ہو گی۔ حضرت نوحؑ کی سفارش اپنے بیٹے کے لیے نا قابل قبول تھی..... خود حضور اکرم ﷺ کی دعائے مغفرت (جو کہ ایک درخواست ہے رحمت کے لیے) منافقین کے لیے قبول نہ کی گئی۔

''اے نبیؐ! اگر تم ستر مرتبہ بھی منافقین کے لیے دعائے مغفرت کرو تو اللہ انھیں معاف نہیں کرے گا۔'' (توبہ ۸۰)

گویا منافقت کے ساتھ فیصلے کے دن حاضر ہونے والا شفاعت کا حق دار نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ حق بات کو قبول کرتا ہے اور حق کے مطابق فیصلے نافذ فرماتا ہے۔ ظلم، حق تلفی یا بے انصافی اللہ تعالیٰ کا شیوہ نہیں ہے تو وہ ظالم، نافرمان بے انصاف کی شفاعت کا اذن کیسے دے سکتا ہے؟ ذرا اس کا تصور شعور کے ساتھ اجاگر کر کے غور کریں۔

کیا حال ہو گا؟ حشر کا میدان اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ لوگوں کی گزری زندگی کو آشکار کر رہا ہو گا..... جب آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی۔ سر ''حی و قیوم'' کے آگے جھکے ہوں گے۔ کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے..... آفتاب سوا نیزے پر ہو گا..... آسمان سے چمکنے والی بجلیاں اور خوفناک آوازیں سنائی دیں گی..... آفتاب کی گرمی کی وجہ سے تمام لوگوں کے جسموں سے پسینہ جاری ہو جائے گا۔ انبیاء، صدیقین اور نیک بخت مومنوں کے تو صرف تلوے تر ہوں گے۔ عام مومنوں کے ٹخنے، پنڈلی، زانو، کمر، سینہ، گردن تک۔ برے اعمال کے موافق پسینہ چڑھ جائے گا..... کفار، منہ اور کانوں تک پسینہ میں ڈوب جائیں گے۔ ایک طویل مدت اسی عالمِ حیرانی میں گزر جائے گی..... بالآخر مجبور ہو کر لوگ سفارش کرنے والوں کو تلاش کریں گے۔ ہر اولوالعزم نبی و رسول اپنے رب کی شوکت و ہیبت اور جلال کے سامنے حاضر ہونے اور شفاعت کرنے کی ہمت نہ پائیں گے۔ بخاری شریف میں اس طویل حدیث کے آخر میں درج ہے کہ:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر سب جمع ہو کر میرے پاس آئیں گے میں اپنے پروردگار کے سامنے اللہ کے اذن سے سجدے میں گر پڑوں گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا وہ مجھے سجدے میں ہی رہنے دے گا..... پھر میرا رب مجھے اٹھنے کا حکم دے گا اور اجازت دے گا کہ میں درخواست پیش کروں۔ پھر جس کے بارے میں اللہ چاہے گا میں اُس کی سفارش کروں گا۔ سفارش کرنے کی ایک مخصوص حد ہو گی۔ میں اس سے زیادہ کی سفارش اپنے دل اور زبان سے نہ کہہ سکوں گا۔''

ان ساری طویل احادیث سے جو بات اظہر من الشمس ہے وہ یہ کہ کس کی سفارش کرنا ہے یہ اللہ تعالیٰ خود حضور اکرم ﷺ کے دل میں القا کریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کون اس کا حق دار ہے۔ اور کس ترتیب سے سفارش کی باری آنا مناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مقامِ محمود (مقام شفاعت) پہ فائز کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسولؐ کی اپنی امت سے محبت کی قدر کرتا ہے۔ جب سارے انبیاء بھی ''نفسی، نفسی'' کے

عالمِ حیرت میں گم ہوں گے۔ ہمارے نبیؐ اور رسولؐ اپنی امت کی فکر میں پریشان وفکرمند ہوں گے۔ ہرفرد اپنا نام لے کر خود کو کٹہرے میں کھڑا کرے۔ اور اپنے پیارے نبیؐ کی محبت اور ان سے اپنی محبت کے دعوے کا موازنہ کرے۔

ہم سب کلمہ گو بہنوں کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اگر ہمیں اپنی اولاد کی طرف سے لیاقت، صلاحیت، اعلیٰ کارکردگی اور نمایاں پوزیشن حاصل کرنے پر خوشی ہوتی ہے، ان کی فرماں برداری، اطاعت، شرافت وتہذیب ہماری نیک نامی کا باعث بنتی ہے۔ ادارے اور ملک کے سربراہ کی طرف سے مبارک بادی کے پیغامات آتے ہیں۔ اولاد کو سکالرشپ، میڈل اور ایوارڈ ملتے ہیں تو ہمیں اُن والدین کی قسمت پر رونا آتا ہے جو نالائق، غیر مہذب، آوارہ، نافرمان اولادوں کی وجہ سے ندامت وشرمندگی کے بحر میں غوطے کھا رہے ہوتے ہیں اور ادارے کے سربراہ کو راضی کرنے کے لیے کسی نہ کسی سفارش کے ذریعے سے اپنی اولاد کو ترقی وکامیابی کے زینے پر دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنی محبت، محنت، خلوص کی ناقدری پہ دل گرفتہ ہوتے ہیں اور اذیت کا شکار بھی ہوتے ہیں۔

کیا ہم فرماں بردار، اپنے نبیؐ کا دل خوش کرنے والے امتیوں میں شامل ہیں یا پھر نبی کو دل گرفتہ کرنے والے، اذیت دینے والے، نافرمان امتیوں میں شمار ہوتے ہیں پھر بھی تمنا شفاعت کی ہوتی ہے۔ کیا یہ مناسب رویہ ہے؟ کیا ہم اتنے نمبر حاصل کرنے کی بھی سعی کر رہے ہیں کہ رعایتی نمبروں سے پاس ہونے کی امید بندھ جائے۔

یا پھر ہم دین میں اپنی مرضی کے پیوند لگا کر اللہ تعالیٰ کے محبوبؐ کو اذیت دے رہے ہیں۔ ''بدعت'' کے ذریعہ خود کو حضورؐ کی شفاعت سے دور اور محبت سے محروم کرتے جا رہے ہیں۔

ذرا حوض کوثر کا وہ نظارہ یاد کیجیے جب کچھ لوگوں کو حوضِ کوثر کے قریب آنے سے منع کیا جائے گا۔ صرف اس وجہ سے کہ انھوں نے دین میں نئی نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔ (بحوالہ حدیث بخاری ومسلم)

یہ آبِ کوثر پینا تو شفاعت کی گارنٹی ہے جو اس کو پیئے گا کامیاب قرار پائے گا۔

پھر ذرا وہ وقت بھی تصور میں لائیے جب خود حضور اکرمؐ فرما رہے ہوں گے اپنے رب سے کچھ لوگوں کی طرف اشارہ کر کے۔

''اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے میرے بعد قرآن کو چھوڑ چھاڑ دیا تھا۔'' (محض کھیل بنا لیا تھا)

ابھی بھی وقت ہے ..... وہ نامرادی ابھی ہمارا مقدر نہیں بنی ہے۔ ابھی مقدر سنوارنے کی مہلت موجود ہے۔

آیئے شفاعت کی یقینی گارنٹی کا طریقہ قرآن سے اخذ کریں۔ خاص کر خواتین کے لیے جو طریقہ بتایا گیا، سورہ الممتحنہ میں ہے۔

(جاری ہے)

طلعت ناہید صفدر

وہ حبیب میرا طبیب ہے

آپؐ کی حیاتِ طیبہ گواہ ہے کہ آپؐ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔

محمد مصطفیٰ ﷺ پر کائنات کی ہر شے دُرود وسلام بھیجتی ہے۔ آپؐ پر گزشتہ چودہ صدیوں سے دنیا کی ہر زبان میں ہر خطے میں بہت کچھ لکھا گیا بہت کچھ پڑھا گیا اور بہت کچھ کہا گیا یہ عمل قیامت تک جاری رہے گا۔

اور کیوں نہ ہو خود رب العالمین نے فرمایا۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

اور اللہ تعالیٰ نے خود آپکا ذکر بلند کرنے کے لئے ایسا بہترین انتظام فرمایا ہے کہ جہاں جہاں قیامت تک کلمہ طیبہ پڑھا جاتا رہے گا۔ آپؐ کا ذکر بھی ہوتا رہے گا۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو تحریراً یا تقریراً آپؐ کا ذکر کر کے ہدایت اور روشنی خود بھی حاصل کرتے ہیں اور دوسروں تک بھی پہنچاتے ہیں۔ الحمد للہ کہ اس قلم قافلہ میں میری بھی ادنیٰ سی کوشش ہے جسے اللہ قبول کرے تو شکر ہے اس ذات کا میں نے بھی اس مثالی روایت کو زندہ کیا کہ جس کے مطابق ایک غریب اور بے سروسامان بڑھیا محض ہاتھ سے کاتے گئے سوت کا ایک گچھا لے کر اپنا نام خریدارانِ یوسفؑ کی فہرست میں درج کروانے گئی تھی۔ اُس بڑھیا کو اپنی بے سروسامانی اور کم مائیگی کا احساس تھا اور عظمت ومقامِ یوسفؑ کا بھی۔

مجھے بھی اچھی طرح احساس ہے کہ مجھے قلم پکڑنا آتا ہے نہ میرا مطالعہ ہی وسیع ہے کہ رسولؐ پاک کی مبارک زندگی کے کسی ایک گوشتہ یا پہلو پر تحریر کر سکوں لیکن اللہ تعالیٰ نے ربیع الاول کے اس مہینے میں لکھنے کا موقع دیا ہے تو اسے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے آپؐ کی اُس حیاتِ مبارکہ کا ایک پہلو لکھ رہی ہوں جس کا ہر پہلو ہی درخشاں ستارہ اور مشعلِ راہ ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ چلتا پھرتا قرآن ہیں۔

آپؐ کی نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کی حیاتِ مبارکہ دنیا کے سامنے ہے۔ نبوت سے پہلے بھی آپؐ کے ذاتی اور اخلاقی اوصاف کو دیکھتے ہوئے اُس معاشرے میں آپؐ کو صادق اور امین کا لقب دیا گیا۔

صبر وتحمل، دعوت کا طریقہ کار، خوش مزاجی، عفو ودرگزر، پڑوسیوں کے حقوق، خرید وفروخت، خانگی زندگی، دوسروں کی مدد، عہد کا پاس، امورِ مملکت، عدل وانصاف، شفقت نرمی اور رحم غرض کہ زندگی کا ہر پہلو بہترین تھا جس کی مثال ہمیں رہتی دنیا تک کبھی نہیں مل سکتی، اتنے بے شمار پہلوؤں پر تو لکھتے لکھتے شاید الفاظ ہی کم پڑ جائیں مگر میں ایک ہی پہلو پر تھوڑی سی روشنی ڈالوں گی اور وہ ہے شفقت، نرمی اور رحم۔

اللہ کی مخلوقات میں سے ایک دوسرے پر رحم، مہربانی اور شفقت کرنے کے سلسلے میں جو کچھ بھی دنیا میں نظر آتا ہے اللہ رب العالمین کی رحمت اس سے ناوے گنا زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر جگہ چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔

سورہ اعراف آیت (156) میں ارشاد ہے۔

''سزا تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے''۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب ''لوح محفوظ میں یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آئے گی اور یہ کتاب اوپر اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے (مسلم)''

خدائے رحمان کی نرمی، شفقت اور محبت جان لینے کے بعد یہ بھی بہت ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ جس پر گزیدہ ہستی کو خدا نے ہمارے

لئے نمونہ بنا کر بھیجا تھا وہ ان اوصاف کے معاملے میں کس بلند مقام پر فائز تھے۔

سورہ توبہ آیت (128) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اللہ کا رسولؐ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور ایمان والوں پر اعتماد کرتا ہے اور سراسر رحمت ہے اُن لوگوں کے لئے جو تم میں سے ایماندار ہیں''۔

جناب رسولؐ اللہ کی پوری زندگی اس حقیقت پر گواہ ہے کہ آپ رحمت للعالمین تھے۔ مرد، عورت، بچے، بوڑھے، امیر غریب، اپنے پرائے، عربی عجمی، انسان تو انسان حیوانوں پر بھی آپؐ مہربانی فرماتے تھے۔ سب سے نرمی کا برتاؤ کرتے اور شفقت کا سلوک کرتے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولؐ خدا نے کبھی بھی کسی شے کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی خادم اور نہ کسی عورت کو سوائے اس کے کہ آپؐ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔ آپؐ کو جب بھی کسی سے تکلیف پہنچی آپؐ نے کبھی بھی کسی سے بدلہ نہ لیا تھا، ہاں اگر اللہ کے حرام ٹھہرائے ہوئے کاموں میں سے کوئی کام کیا جاتا تو آپؐ اللہ کی خاطر اس حرام فعل کا ارتکاب کرنے والے سے بدلہ لیتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک بدو مسجد میں داخل ہوا۔ رسولؐ اللہ مسجد میں بیٹھے تھے۔ بدو نے نماز پڑھی فارغ ہونے کے بعد دعا کرنے لگا کہ اے اللہ مجھ پر رحم کر اور محمدؐ پر رحم کر اور ہمارے سوا کسی اور پر رحم نہ کر اس پر آپؐ متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تو نے اللہ کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا۔ پھر تھوڑی دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ اُس بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو لوگ اس کی طرف مارنے کو دوڑے مگر رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اس پر پانی کا ڈول بہا دو اور صحابہؓ کو فرمایا کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے نہیں۔

ویسے تو پیارے نبیؐ سبھی کے لئے شفیق، رحمدل اور نرم مزاج تھے مگر اُمت کے لئے خاص طور پر آپؐ بے پناہ شفیق تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ہر نبی کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں اگر اللہ کو منظور ہوا تو میں (ایک ضرور قبول ہونے والی) دعا کو قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کرنے کے لئے محفوظ رکھوں گا۔

بچوں سے آپؐ کو بے پناہ محبت تھی جب موسم کا نیا پھل پیش کیا جاتا تو آپؐ اپنے قریب بیٹھے ہوئے سب سے چھوٹے بچے کو عطا کرتے۔ حضورؐ کی یہ نرمی اور شفقت صرف انسانوں تک محدود نہ تھی آپؐ جانوروں کے لئے بھی ہدایت فرماتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے ساتھ حسنِ سولک کرنا فرض کیا ہے پس جب تم جانور ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی چھُری تیز کر لے اور جس جانور کو ذبح کر رہے ہو حتی الامکان آرام پہنچائے عبادت کے معاملے میں بھی آپؐ نے یہی پسند کیا کہ ایسے اعمال اختیار کیے جائیں جو بہت سخت اور شاق گذرنے والے نہ ہوں۔ آپؐ فرماتے تھے جب میں تم سے زیادہ متقی ہونے اور سب سے زیادہ خدا کو جاننے کے باوجود بہت شاق گزرنے والے اعمال کو تمہارے لئے ضروری نہیں سمجھتا تو پھر تم کیوں انہیں ضروری قرار دیتے ہو۔

غرض یہ کہ آپؐ کی نرم مزاجی، شفقت، رحمدلی کا یہ عالم تھا کہ ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ سے عرض کیا گیا کہ آپؐ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کے لئے بدعا کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے

آپ ﷺ پر لاکھوں کروڑوں درود و سلام

صدیوں کی گواہی

یہ دھند میں لپٹی ہوئی اساطیری تاریخ کا کوئی گم شدہ باب نہیں ہے، یہ چند برسوں کی کہانی نہیں ہے اور یہ دو چار صدیوں کا بھی قصہ نہیں ہے۔ یہ تو وہ زندہ حقیقت ہے جو تیرہ صدیوں پر محیط ہے۔ یہ چمکتی دو پہر کی طرح روشن اسلامی تاریخ کا حصہ ہے۔ آزادئ افکار کے نام نہاد علم برداروں اور حقوقِ انسانی کا دن رات راگ الاپنے والے دانشوروں کی بات اور ہے کیونکہ وہ مغرب سے مستعار لی ہوئی تخیلاتی جنت میں رہنے کے عادی ہو چکے ہیں ورنہ ہر ذی شعور مسلمان اس بات سے واقف ہے کہ حرمتِ رسولؐ ایمان کی بنیاد ہے اور توہینِ رسالت کا قانون کوئی نئی شے نہیں ہے اور نہ ہی کسی مولوی کی ذہنی اختراع ہے۔ یہ قرآن وسنت کا عطا کیا ہوا قانون ہے اور تیرہ صدیوں تک مسلمان ریاستوں میں نافذ رہا ہے۔ مدینے کی اسلامی ریاست کے قیام سے لے کر ترکی میں عثمانی خلافت کے خاتمے تک چشمِ فلک نے ایک دن بھی ایسا نہیں دیکھا جب یہ قانون عدالتی نظام سے خارج ہوا ہو۔

برصغیر کے مسلمان حکمرانوں کے دور میں بھی یہ قانون نافذ تھا اور توہینِ رسالت کے مجرموں کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ برطانوی دورِ اقتدار میں اس قانون کا خاتمہ کر دیا گیا اور انبیاء کی حرمت سے زیادہ تاجِ برطانیہ کو اہمیت دے دی گئی مگر تاجدارِ مدینہؐ کے جاں نثار غلامی کے اس سیاہ دور میں بھی اپنا لہو جلا کر شمع رسالت کی تابناکی میں اضافہ کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں مگر اس قانون کو نافذ کر کے دکھایا۔

ہماری بدقسمتی یہ رہی کہ گورے انگریزوں کے جانے کے کچھ دنوں بعد ہی تاجِ برطانیہ کے کالے پرستاروں نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور انہوں نے ایک عرصہ تک مملکتِ خداداد میں توہینِ رسالت کے قانون کو نافذ نہیں ہونے دیا۔ آج یہ قانون باقاعدہ طور پر تعزیراتِ پاکستان کا حصہ ہے مگر اس کے خاتمے کے لئے مغرب کے ذہنی غلام سرگرمِ عمل ہیں۔ پاکستان میں اس قانون کے نفاذ کے پیچھے کشمکش کی ایک عظیم داستان ہے، ایک فکری وتہذیبی معرکہ ہے جو آج بھی جاری ہے۔ اس کشمکش میں بڑے اتار چڑھاؤ آئے ہیں۔ اس دوران قوم مختلف مراحل سے گزری ہے اور عشق کے بہت سے امتحانوں کا سامنا کیا ہے۔ یہ معرکہ وطنِ عزیز کی شاہراہوں پر بھی برپا ہوا اور اس کشمکش کی بھرپور جھلک ملک کی قومی اسمبلی میں بھی نظر آئی۔ اس پورے معاملے میں دو خواتین کے نام بڑے نمایاں انداز میں سامنے آتے ہیں۔ یہ محض دو نام نہیں ہیں بلکہ علامتیں ہیں جو دو طبقوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان ناموں کی تختیاں نظریاتی کشمکش کے اہم مراحل پر ایستادہ ہیں۔ 1986ء میں آپا نثار فاطمہ نے قانون توہین ریاست کابلی اسمبلی میں پیش کیا اور اسے منظوری حاصل ہوئی۔ اس اہم موڑ پر کاتبِ وقت نے آپا نثار فاطمہ کا نام تختی پر تحریر کر دیا۔ 2010ء کے اختتام پر محترمہ شیری رحمان توہینِ رسالت پر سزائے موت ختم کرنے کا بل لے کر آتی ہیں اور انکا نام بھی تختی پر ثبت ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی عام سی تختیاں نہیں ہیں۔ یہ لوحِ ایام کا استعارہ ہیں جن پر دو تہذیبوں کی کہانی لکھی ہوئی ہے۔ ایک لوح پر ناموسِ رسولؐ کے لئے کٹ مرنے کا منظر نامہ ہے اور دوسری پر تہذیبِ مغرب کا شاخسانہ ہے۔

محترمہ شیری رحمان کا پیش کیا ہوا بل تو منظور نہیں ہو سکا مگر ملک بھر میں ہل چل برپا ہو گئی۔ نظریاتی بحثوں کا آغاز ہو گیا اور ذرائع ابلاغ پر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔ مغرب زدہ دانشوروں نے نئے ہتھیاروں کے ساتھ مورچے سنبھال لئے اور توہینِ رسالت کے قانون کو

ہدف بنا کر حملے شروع کر دیئے۔ ایک صوبائی گورنر کی دریدہ ذہنی آخری حد کو پہنچ گئی اور انہوں نے توہین رسالت کے قانون کو کالا قانون قرار دے دیا۔ موصوف کو اس ناپاک جسارت کے نتیجے میں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس دوران ملک کے سیکولر طبقے کی جانب سے ایک بات بڑے تواتر کے ساتھ کہی گئی کہ توہین رسالت پر سزائے موت کا قانون انسانوں کا بنایا ہوا ایک ظالمانہ قانون ہے جسے ایک فوجی آمر کے دور میں نافذ کیا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسانی کوششوں کے ذریعے یہ قانون تعزیراتِ پاکستان کا حصہ بنا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس موقع پر ملک کی صدارت ایک فوجی جنرل کے پاس تھی۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس قانون کا نفاذ ان اچھے کاموں میں سے ایک ہے جو ایک فوجی آمر کے دور میں انجام پائے۔ توہین رسالت پر سزائے موت کا قانون عام انسانوں نے تشکیل نہیں دیا یہ تو وہ حد ہے جو اللہ نے مقرر کی ہے اور جسے تبدیل کرنے کا اختیار کسی انسان کے پاس نہیں ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے اس حد کو نافذ کیا اور تیرہ صدیوں تک یہ حد نافذ رہی۔ اس حد کو ظالمانہ قرار دینا براہِ راست اللہ کی ذات پر حملہ ہے اور اس امت کے اجتماعی شعور کی توہین ہے جس نے تیرہ صدیوں تک اس قانون کو قبول کیا اور اس کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کی۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ تاریخ کے اوراق سے شہادت طلب کی جائے اور اس بات کا حتمی فیصلہ کر لیا جائے کہ پہلی مرتبہ اس قانون کا نفاذ کب ہوا، کس نے کیا اور کب تک یہ عمل جاری رہا۔ تاریخ کی اس شہادت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا اس لئے کہ یہ اسلام کی تاریخ ہے کوئی دیومالائی داستان نہیں ہے۔ اس شہادت کا آغاز اس دور سے ہونا چاہیے جو انسانی تاریخ کا سب سے تابناک دور ہے اور بعد میں آنیوالے تمام انسانوں کے لئے لازم ہے کہ اس دور کے ہر عمل اور قانون کی پیروی کریں۔

قانونِ توہینِ رسالت نبی کریمؐ کے عہد میں

☆ یہ 2ھ کی بات ہے۔ غزوہ بدر سے واپسی پر دورانِ سفر نبی کریمؐ کی نظر نصر بن حارث پر پڑتی ہے جو اسیرانِ جنگ میں شامل تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو مکی دور میں متعدد مرتبہ توہین رسالت کا مرتکب ہوا۔ آپؐ کے حکم پر حضرت علیؓ نے اس شخص کو فوری طور پر قتل کر دیا۔

☆ اسی سفر کے دوران عرق الظبیہ کے مقام پر آپؐ ایک اور قیدی عقبہ بن ابی معیط کو دیکھتے ہیں یہ شخص بھی آپؐ کی توہین وایذا رسانی کا مجرم تھا۔ حضرت علیؓ نے اس شخص کو بھی آپؐ کے حکم پر جہنم رسید کر دیا۔

☆ 3ھ میں توہین رسالت کے مرتکب متعدد افراد آپؐ کے حکم پر قتل کئے گئے۔ ابو عفک اور ابو عزہ جمحی ان مقتولین میں شامل تھے۔ یہ دونوں اپنے اشعار کے ذریعے نبی کریمؐ کی توہین کیا کرتے تھے۔ یہودی سردار کعب بن اشرف اور اسکا مددگار تاجر ابو رافع بھی توہین رسالت کے سنگین جرم کی پاداش میں اسی سال قتل کئے گئے۔

☆ حضرت عمیرؓ بن عدی نے ایک گستاخ رسول عورت کو قتل کیا تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا ''اگر تم ایسا شخص دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور رسولؐ کی غیبی مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو''۔

☆ فتح مکہ کے موقع پر نبی رحمتؐ نے عام معافی کا اعلان کیا تھا مگر چند لوگ اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔ غلافِ کعبہ سے لپٹے ہوئے توہین رسالت کے مجرم عبداللہ ابن خطل کو حرم کے اندر قتل کیا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ اس کام کے لئے حرم کعبہ کو اس ساعت میں حلال قرار دے دیا گیا تھا۔ ابن خطل کی دو ہجو گو لونڈیاں ارنب اور ام سعد بھی توہین رسالت کے جرم میں قتل کی گئیں۔ ہجو گو شاعر حارث بن طلال فتح مکہ کے موقع پر واجب القتل افراد میں شامل تھا۔

یہ کوئی ڈھکے چھپے واقعات نہیں ہیں۔ صحیح بخاری، سنن ابو داؤد، طبقات (ابن سعد)، المصنف (عبد الرزاق بن ہمام) اور الشفاء (قاضی عیاض اندلسی) وغیرہ میں بکثرت ایسے واقعات موجود ہیں۔

خلافتِ راشدہ کے دور میں

قانون توہین رسالت خلافت راشدہ میں برقرار رہا اور توہین

رسالت کے مرتکب متعدد افراد کو موت کی سزا دی گئی ۔طبقات (ابن سعد) میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں گستاخی کی ۔حضرت ابو برزہؓ کی خواہش تھی کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس موقع پر جو جواب دیا وہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔آپؓ نے ارشاد فرمایا''رب ذوالجلال کی قسم یہ مرتبہ محمد رسولؐ اللہ کے سوا کسی شخص کو حاصل نہیں''یعنی نبی کریمؐ کے علاوہ کسی اور شخص کی توہین کرنے والے کو قتل نہیں کیا جاسکتا چاہے وہ خلیفۂ وقت اور صحابی رسولؐ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ کے قاضی تھے۔آپؓ کی عدالت میں کچھ مرتدین پیش کئے گئے جنہوں نے توبہ کرتے ہوئے معافی کی درخواست کی ۔زیادہ تر افراد کو معاف کر دیا گیا مگر ایک شخص عبداللہ ابن النواحہ کو توبہ کے باوجود موت کی سزا دی گئی کیونکہ یہ شخص ارتداد کے ساتھ توہین رسالت کا بھی مجرم تھا۔ فقہاء کا اجتماعی موقف ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب کو توبہ کے باوجود قتل کیا جائے گا۔

بنوامیہ کے دور میں

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوچکی تھی اور حکمرانوں نے شاہانہ اطوار اختیار کر لئے تھے مگر اس کے باوجود عدالتوں میں شرعی قوانین نافذ تھے۔اس دور میں توہین رسالت پر موت کی سزا برقرار رہی۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں خلافت راشدہ کی جھلک پھر سے نظر آئی اور اسلامی اقدار کا احیاء ہوا۔امام ابن حزم نے اسی دور کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے۔کوفہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے دریافت کیا کہ ایک شخص نے حضرت عمر فاروقؓ کو گالی دی ہے کیا اسے قتل کر دیا جائے۔اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دوٹوک انداز میں جواب دیا کہ اس کی سزا موت نہیں کیونکہ صرف شاتم رسولؐ ہی کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے۔(ابن حزم المعلی)

بنوعباس کے دور میں

عباسی حکمرانوں کے طور طریقے بھی شاہانہ تھے مگر عدالتی فیصلے اسلامی قوانین کی روشنی میں کئے جاتے تھے۔شاتم رسولؐ کے لئے موت کی سزا بنوعباس کے پورے دور میں برقرار رہی۔ایک موقع پر خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ شاتم رسولؐ کو کیا سزا دی جائے۔امامؒ نے غضب ناک ہوکر فرمایا''اس امت کو جینے کا حق ہی نہیں جو اپنے نبیؐ پر سب وشتم برداشت کرے۔ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے اور جو صحابہؓ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں''۔ (قاضی عیاض اندلسی۔الشفاء)

خلافتِ عثمانیہ کے دور میں

بنوعباس کے زوال کے بعد پہلی مرتبہ خلافت عربوں کے ہاتھ سے نکل کر ترک حکمرانوں کے پاس آ گئی۔یہ وہ دور تھا جب نبی کریمؐ کی پیش گوئی پوری ہوئی اور قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔

عثمانیوں کے پورے دورِ حکومت میں عدالتی فیصلے فقہ اسلامی کے مطابق کئے جاتے تھے اور توہین رسالت پر موت کی سزا کا قانون باعدہ طور پر موجود تھا۔کمال اتاترک کے عہد میں اسلامی قوانین کو ترک کر دیا گیا اور سیکولر طرز حکومت اختیار کر کے یورپی قوانین نافذ کر دئے گئے یہ سانحہ چودھویں صدی ہجری کے وسط میں رونما ہوا اور یوں لادینی قوتوں کو توہین رسالت کے قانون کے خاتمے کے لئے تیرہ صدیوں تک انتظار کرنا پڑا۔

یہاں مناسب ہوگا کہ دو ایسے ملکوں کا بھی تذکرہ کیا جائے جہاں مسلمان اقلیت میں تھے مگر اس کے باوجود طویل عرصے تک ان کی حکومت قائم رہی۔پہلا ملک اسپین (اندلس) ہے جہاں آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے حکومت کی جبکہ دوسرا ملک ہندوستان ہے جہاں مسلمانوں کے اقتدار کا سورج تقریباً ہزار سال تک چمکتا رہا۔

اندلس میں قانونِ توہین رسالت

آٹھویں صدی سے لے کر پندرھویں صدی عیسوی تک اندلس پر مسلمانوں نے حکومت کی ۔ اندلس کی عدالتوں میں اسلامی قوانین نافذ تھے اور توہین رسالت پر سزائے موت دی جاتی تھی۔

ملک بھر میں عیسائیوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا گیا اور انہیں پوری مذہبی آزادی حاصل تھی ۔ عیسائی عوام کو کبھی مسلم حکمرانوں سے شکایت نہیں ہوئی اسی لئے متعصب عیسائی پادریوں کی کوشش کے باوجود وہ حکومت کے خلاف اٹھنے پر آمادہ نہیں ہوئے ۔ قرطبہ کا ایک انتہا پسند راہب یولوجیئس اسلام دشمنی میں اس حد تک چلا گیا کہ اس نے اہانت رسولؐ کی باقاعدہ تحریک برپا کردی۔ اس تحریک کے دوران عیسائی نوجوان سرعام نبی کریمؐ کی ذات کو سب وشتم کا نشانہ بناتے تھے ۔ یہ تحریک 850ء میں شروع ہوئی اور 860ء تک جاری رہی اس دوران توہین رسالت کے مجرموں کو شریعت کے مطابق موت کی سزا سنائی گئی ۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق 53 افراد کو اس تحریک کے دوران اہانت رسولؐ کے جرم میں قتل کیا گیا۔ یہ تحریک شدت پسند راہبوں اور پادریوں تک محدود رہی اور عیسائی عوام توہین رسالت کے قبیح فعل سے دور رہے۔

ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کا دور

ہندوستان میں کبھی مسلمانوں کی اکثریت نہیں رہی مگر اس کے باوجود تقریباً ایک ہزار سال تک یہاں مسلمان حکومت کرتے رہے ۔ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں شرعی قوانین نافذ تھے اور توہین رسالت پر موت کی سزا کا قانون موجود تھا ۔ مغلوں نے ایک طویل مدت تک اس ملک پر حکمرانی کی اور ان کا دورِ اقتدار تین سو سال سے اوپر چلا جاتا ہے۔

مغل دورِ حکومت میں توہین رسالت کے دو مقدموں کو خاصی شہرت حاصل ہوئی ۔ پہلے مقدمے کا تعلق جلال الدین اکبر کے عہد سے ہے ۔ اکبر ہندو مورخوں کا پسندیدہ حکمران ہے اور وہ اسے سیکولر حکمران قرار دیتے ہیں ۔ اکبر بڑی حد تک ہندو بیگمات کے زیر اثر تھا اور بے دین قسم کے درباریوں نے بھی اسے گھیر رکھا تھا۔ اس کے دور میں ایک مالدار ہندو برہمن کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوا، جس نے نبی کریمؐ کی ذات کو سب وشتم کا نشانہ بنایا تھا۔ ہندو بیگمات اور خوشامدی درباریوں نے مجرم کو بچانے کی انتہائی کوشش کی مگر شیخ عبدالغنی (قاضی القضاء) نے اس بدبخت کو قتل کرنے کا حکم دیا اور شہنشاہ اکبر نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس فیصلے کو قبول کیا ۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں بڑی تفصیل سے اس واقعے کا ذکر کیا ہے ۔ یہ تو مغلوں کے عروج کا دور تھا ان کے دورِ زوال میں بھی ایسا ایک واقعہ پیش آیا ۔ زکریا خان (1707ء 1759ء) پنجاب کے گورنر کے عہدے پر فائز تھا ۔ 1734ء میں سیالکوٹ کے ایک کھتری نوجوان حقیقت رائے نے نبی کریمؐ کی شان میں گستاخی کی ۔ لاہور میں عدالتی کارروائی ہوئی اور حقیقت رائے کو موت کی سزا دینے کا فیصلہ ہوا۔ پنجاب کے ہندو افسران متحرک ہوگئے اور زکریا خان پر دباؤ ڈالنے کا سلسلہ شروع ہوگیا ۔ زکریا خان نے ہر سفارش کو ماننے سے انکار کردیا اور بالآخر مجرم کی گردن اڑادی گئی ۔ ہندو مورخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اس واقعے کی تفصیلات بیان کی ہیں اور ان کے کہنے کے مطابق پنجاب میں بسنت کا تہوار اسی حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔

تیرہ صدیوں کی شہادتیں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مسلمان حکمرانوں کے دور میں دنیا بھر میں توہین رسالت کا قانون بھرپور انداز میں نافذ رہا ہے اور ایک دن کے لئے بھی اس میں تعطل نہیں آیا۔ آج اگر کچھ دانشوروں پر خداوندانِ مغرب کی جانب سے وحی کا نزول ہوتا ہے اور وہ یہ فرمانا شروع کردیتے ہیں کہ یہ قانون انسانوں کا بنایا ہوا ظالمانہ قانون ہے اور ایک فوجی آمر نے اسے قوم پر مسلط کردیا تو ایسے لوگوں کی عقلوں پر صرف ماتم کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ توہین رسالت کا قانون ایک زندہ حقیقت کا نام ہے ۔ یہ دھند میں لپٹی ہوئی اساطیری تاریخ کا کوئی گم شدہ باب نہیں ہے ۔ یہ چمکتی دوپہر کی طرح روشن اسلامی تاریخ کا حصہ ہے ۔☆

شعائر اسلام اور ناموسِ رسالتؐ پر گھٹیا حملوں کے جواب میں

مشترک لائحہ عمل وقت کی ضرورت ہے

ڈاکٹر رخسانہ جبین[1]

امت مسلمہ اس وقت کڑے دور سے گزر رہی ہے ۔مغربی اقوام غالب ہیں، ہر جگہ ان کا نیو ورلڈ آرڈر چل رہا ہے۔مغربی ذرائع ابلاغ ہیں ،معیشت کا میدان ہے یا تعلیم کا ، ہر جگہ ان کی تہذیب کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے ۔قطع نظر اس بات سے کہ ان میں کتنے اصول درست ہیں اور کتنے انسانیت کے لئے تباہ کن ہیں ۔آزادی اظہار کے نام پر شعائر اللہ اور انبیاء کرام کی توہین ان کا معمول بن گیا ہے ۔خصوصاً نبی ﷺ سے ان کے اشرار کو اللہ واسطے کا بیر ہے بالکل ویسے ہی جیسے مدینہ کے یہودیوں کو تھا جو کبھی آپ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازشیں کرتے تھے ،کبھی طرح طرح سے بدنام کر کے اذیتیں دیتے تھے ،کبھی آپ کے اہل خانہ پر رکیک الزامات لگاتے تھے ۔آج بھی یہ بد بخت کبھی آپ ﷺ کے گستاخانہ خاکے اخبارات میں چھاپتے ہیں کبھی انٹرنیٹ پر مقابلوں کا اعلان کر کے اپنے لئے روسیاہی کا بندوبست کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کی شان پہلے بھی بلند تھی اور قیامت تک بلند تر رہے گی ۔کسی کے منہ کی پھونکوں سے اس چراغ کی لو کم نہ ہوگی جس کو روشن کرنے والا خود مالک کائنات ہے ۔ہاں یہ امتحان اور ابتلا کا ایک دور ہے امت مسلمہ کے لئے ، جب یہ سب کچھ قران اولیٰ میں ہوتا تھا تو اپنی موت آپ مر جاتا تھا۔آج ہو رہا ہے تو ہوتا چلا جا رہا ہے ۔ایک کے بعد ایک گستاخ اس فعل کو کرنے کا اعلان کر رہا ہے اور مسلمان بے بس ہیں اتنے کمزور تو اس سے قبل شاید کبھی نہ تھے ۔یہود تو اس سے بڑی بڑی سازشیں بھی کر چکے ہیں ۔وہ تو نبی ﷺ کے جسد خاکی تک کو روضہ انور سے نکالنے کی سازش بنا چکے ہیں جسے اس وقت کے باغیرت اور باحمیت مسلمان حکمران نورالدین زنگی نے ناکام بنایا۔

آج تاریخ کا یہ عجیب کربناک موڑ ہے کہ مسلمان اربوں کی تعداد میں ہیں اور مسلمان حکومتیں 60 سے زائد ہیں ۔لیکن اس پستی کی حالت میں ہیں کہ کفار، یہود و ہنود شیر بن چکے ہیں اور جو ان کے جی میں آتا ہے کر گزرتے ہیں ۔کوئی ان کے ہاتھ پکڑنے والا نہیں ،کوئی طارق بن زیاد نہیں ،کوئی نورالدین زنگی نہیں ،کوئی صلاح الدین ایوبی نہیں۔

اس وقت مغرب کا سیکولر اور مادر پدر آزاد تمدن ایک طوفان کی صورت میں دنیا پر چھا گیا ہے ۔اب گھر گھر گانے بج رہے ہیں ،نیم عریاں فلمیں چل رہی ہیں ۔عورت کے ساتھ اب چادر اور چاردیواری کا تصور نہیں آتا بلکہ اشتہار کا تصور آتا ہے ۔ چوک اور چوراہے عورت کے قدآدم پوسٹروں سے مزین ہیں۔

ایک عجیب دور ہے جسمیں مسلمان ذرائع ابلاغ ہر مسئلے پر بحث کرتے ہیں ۔ رات دن ٹاک شو ہوتے ہیں ۔ ماہرین ہر مسئلے پر معیشت ، سیاست ،ملکی حالات پر اثر اندازی ،عوام پر اثر اندازی ، معاشرتی اثرات وغیرہ تمام حوالوں سے بحث کرتے ہیں ۔لیکن اس بات پر گفتگو نہیں ہوتی کہ اس بارے میں اللہ اور رسول ﷺ کا حکم کیا ہے؟ اسلام کیا کہتا ہے؟ اگر کبھی بحث ہوتی ہے تو

حدود اللہ کی تنسیخ کے لئے ، اسلامی قوانین کی تضحیک کے لئے کبھی کوڑوں والی جعلی ویڈیو کی آڑ میں ،کبھی برقعہ ویگنزا کی صورت میں کبھی عورت کے حقوق کے نام پر، وارثت اور گواہی کے احکام پر تنقید کی جاتی ہے ۔کبھی عورت کی آزادی کے نام پر اس کو گھر کے میدان سے فرار کی تعلیم دی جاتی ہے ۔آج مسلمان ممالک کی مغرب زدہ عورت اسلامی شعائر پر معذرت خواہانہ رویہ رکھتی ہے ۔کتاب اللہ

[1] سیکرٹری جنرل حلقہ خواتین جماعت اسلامی

کو قانون بنا کر نافذ کرنے کی بجائے اس کو صرف تبرکاً اور فوتگیوں پر پڑھنے کے لئے رکھ دیا گیا ہے۔

ا۔سیکرٹری جنرل حلقہ خواتین جماعت اسلامی

مغرب کے خوف سے مدارس پر پابندی لگائی جا رہی ہے۔ جہاد کے معنی بدلے جا رہے ہیں۔علماء مسلکی اختلافات اور گروہ بندی میں مبتلا ہیں۔

حکمران کمزور، مغرب اور یہود و نصاریٰ کے باجگزار، وظیفہ خوار، ان کے ٹکڑوں پر پلنے والے، ڈالروں کے عوض قوم کے بیٹوں اور بیٹیوں کو فروخت کرنے والے اور ملکی وقار کو ذاتی مفاد کے عوض بیچ دینے والے ہیں۔ دین سے اس حد تک بے بہرہ کہ کوئی قرآن پاک کے پاروں کی تعداد چالیس بتاتا ہے اور کوئی سورہ اخلاص تک نہیں پڑھ سکتا۔ بے غیرتی کا عالم یہ ہے کہ ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کے لئے ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور ملعون آسیہ کی رہائی کے لئے جیل میں جا کر، ملاقاتیں کر کے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے چکر میں اللہ کے عذاب کے پھیر میں آ جاتے ہیں۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان تو کب سے مغلوب ہیں۔ مغربی تہذیب پچھلی تین صدیوں سے غالب ہو رہی ہے۔لیکن شعائر اسلام اور ناموس رسالت کی توہین کی جسارت آج کل کیوں بڑھ گئی ہے؟ کیا اس کی وجہ صرف مسلمانوں کی بے عملی اور حکمرانوں کی بے حمیتی ہے یا کچھ اور وجوہات بھی ہیں؟

کفر اوچھے ہتھکنڈوں پر اس وقت اترتا ہے جب وہ کھلے میدان میں مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتا اور اسلام ان کی تمام غارت گری کے باوجود پھیلتا جاتا ہے تو کفار رکیک حملے شروع کر دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج اللہ کی تدبیر اپنا کام دکھا رہی ہے **ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین** ''وہ خفیہ تدبیریں کرنے لگے جواب میں اللہ نے خفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے''۔(سورہ آل عمران 54)

وہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو تو بجھا نہ سکے جس کی روشنی چاردانگ عالم میں پھیل رہی ہے لیکن وہ جھاگ اڑا رہے ہیں۔ ہذیان بک رہے ہیں۔**ودوا ماعنتم ہ قد بدت البغضاء من افواھھم و ماتخفی صدور ہم اکبر** ''تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے''(سورہ آل عمران 118)

کیونکہ ایک جانب عراق اور افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے باوجود وہ فتح سے کوسوں دور ہیں اور واضح شکست کو چھپانے کے بہانے تلاش کر رہے ہیں اور دوسری جانب ان کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق اگلے تیس سے پچاس سال میں امریکہ اور یورپ میں آبادی کا توازن مسلمانوں کے حق میں بدلنے والا ہے۔

امریکہ میں 1970ء میں مسلمانوں کی تعداد ایک ملین تھی اور 2008ء میں 9 ملین سے زائد ہو گئی۔ برطانیہ میں اس وقت مسلمان 2.5 ملین ہو چکے ہیں اور 5 ہزار سالانہ اسلام قبول کر رہے ہیں۔فرانس میں غیر مسلموں کی شرح پیدائش 1.8 اور مسلمانوں کی 8.1 ہے۔20 سال سے کم عمر کے 30 فیصد سے زائد بچے مسلمان ہیں۔ ان کی اپنی ویب سائٹس بتاتی ہیں کہ 39 سال بعد فرانس میں مسلمانوں کی تعداد کثرت میں ہو جائے گی۔ اسی طرح جرمنی 2050ء میں مسلم ریاست ہوگی (German Federal Statistics Office) مساجد کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ دیکھئے یو ٹیوب پر Muslim demographics میں (Its time to wake up) وہ ایک جانب Wake up calls دے رہے ہیں کہ ان کی عورتیں جواب فیملی لائف سے بہت دور نکل چکی ہیں واپس بچے پیدا کرنے کی جانب آ جائیں۔طرح طرح کے لالچ دیئے

مشترک تحریک چلانے کے لئے متحد ہو جائیں آیئے عہد کریں کہ ایک دوسرے کی تنقیص نہ کریں گے، بنیاں مرصوص بننے کی کوشش کریں گے۔

جا رہے ہیں لیکن ان کی واپسی اب محال نظر آ رہی ہے۔ البتہ وہاں کے مسلمان ان کے Incentives سے بھر پور فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اسلام قبول کرنے والوں میں اکثریت عورتوں کی ہے۔

آج ہم چہرے کے پردے پر شرمندہ نظر آتے ہیں۔ مسلمان علماء رخصتوں کے فتوے دے رہے ہیں اور کچھ مسلمان علماء چہرے کے پردے کو اسلام کے پھیلاؤ میں رکاوٹ قرار دے رہے ہیں لیکن وہاں کی نومسلم خواتین مکمل حجاب کو اپنا رہی ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتیں۔ اب سمجھ میں آتا ہے یورپی ممالک کیوں حجاب پر پابندی کے قوانین بنا رہے ہیں۔ گویا جب ان کے صالحین دین اسلام کی طرف لپک رہے ہیں تو ان کے اشرار بوکھلا اٹھے ہیں اور کبھی مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا ارتکاب کرتے ہیں، کبھی میڈیا کے ذریعے ناموس رسالت ﷺ پر حملہ آور ہوتے ہیں کبھی حکمرانوں کو خریدتے ہیں، تاجروں کو خریدتے ہیں، NGOs کو میدان میں لاتے ہیں جو اربوں ڈالر کے شوگر کوٹڈ منصوبے بناتی ہیں اور قوم کی رگوں میں زہر انڈیلتی ہیں، کبھی فیملی پلاننگ کی ادویات کی صورت میں Aids سے بچاؤ کی صورت میں، CEDAW کے ایجنڈے کی صورت میں بہبود خواتین کے نام پر، چائلڈ لیبر کی آڑ میں اور دستوری تبدیلیوں کی مذموم کوششوں میں مصروف ہیں۔ ذرائع ابلاغ سارے کے سارے ان کے ہیں الا ماشاء اللہ۔

اگرچہ ان حالات میں اللہ کی مشیت اور اس کی تدبیر اپنا کام کر رہی ہے لیکن اصل امتحان تو ہمارا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اے مسلمانو! نبی کریم ﷺ کی ناموس کے لئے کٹ مرنے کے دعوے کرنے والو!

پورے اخلاص سے سوچو!

کیا اپنے نبی ﷺ کی نصرت پر سچے دل سے تیار ہو؟ انشاء اللہ ہم تیار ہیں تو آیئے اس کا لائحہ عمل بنائیں۔ آپ ﷺ کی نصرت نعروں اور جلسوں سے نہ ہوگی۔ ہمیں محنت کرنا ہوگی۔ ہمیں سوچنا ہوگا کہ مسلمان عوام الناس کا رخ کیسے واپس اللہ کی طرف موڑا جائے۔ جس دورنگی میں مسلمان مبتلا ہیں اس سے ان کو کیسے نکالا جائے۔ ایک طرف نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کٹ مرنے کو تیار ہیں دوسری طرف کرپشن اور بددیانتی میں بھی سرفہرست ہیں۔

افسوس اور ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ آج مسلمان طوائفیں ہیں، مسلمان ڈاکو ہیں، مسلمان ہم جنس پرست ہیں، شرابی ہیں، چور ہیں، عید میلاد النبی بھی مناتے ہیں ویلنٹائن ڈے بھی۔ میڈیا میلاد النبی ﷺ کے جلسے بھی دکھاتا ہے اور ڈانس وموسیقی بھی۔ مجھے خوف ہے کہ اگر اسلام کی یہ ناقدری جاری رہی تو اللہ اور لوگ پیدا کرے جو ہم جیسے نہ ہوں گے۔

''اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے'' (سورہ محمد 37)

''اگر تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک عذاب دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا، اور تم خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

اس لئے ہم سب مل کر ایک لائحہ عمل بنائیں تجاویز دیں تاکہ ہم ایک جانب یہود و ہنود کی ان سازشوں کا مقابلہ کر سکیں۔ دوسری جانب اللہ کے دین اور اپنے نبی کریم ﷺ کی نصرت کر سکیں۔

☆ ایک Think Tank، شوریٰ، یونین یا متحدہ محاذ تشکیل دیا جائے جو اس طرح کے Issues پر فوری پلاننگ کرے اور تمام جماعتوں کے لئے مشترکہ لائحہ عمل تیار کرے یہ وقت کی ضرورت ہے۔ آج یورپ ایک یونین ہے، نیٹو ہے، ریاست ہائے متحدہ امریکہ ہے۔ بدنصیبی سے ہم ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ **تعالو الی کلمۃ اللہ سواء بیننا و بینکم** ان نکات پر اکٹھے ہو جائیں جو مختلف دینی جماعتوں کے درمیان مشترک ہیں۔ ٹکڑوں میں بانٹنا

شیطان کا حربہ ہے۔

یاد رکھیں اگر ہم مجتمع نہ ہوئے تو ترکی کے بعد آج عراق، مصر میں حجاب پر پابندی لگ چکی ہے۔ بنگلہ دیش پر تول رہا ہے۔ پاکستان کی حکومت کہیں زیادہ باجگزار ہے۔ اس کو کوئی چیز روک سکتی ہے تو ہمارا اتحاد اور مشترکہ لائحہ عمل۔ تمام NGOs اسلام اور عورت کے اسلامی حقوق کے خلاف متحد ہیں۔ ہم ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ یہ پروگرامات جو پچھلے کچھ عرصہ سے جاری ہیں بہت مبارک ہیں۔ اللہ شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھے۔ آیئے اپنی اپنی جماعت کے اندر رہتے ہوئے اپنے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے قومی اور گلوبل Issues پر مشترک تحریک چلانے کے لئے متحد ہو جائیں، ہم میں سے کوئی مکمل نہیں۔ سب میں کچھ خوبیاں ہیں تو کچھ کمزوریاں ہیں۔ ہم خوبیوں کو ابھاریں، کمزوریوں سے درگزر کریں۔ آیئے عہد کریں کہ ایک دوسرے کی تنقیص نہ کریں گے۔ بنیان مرصوص بننے کی کوشش کریں گے۔

☆ ہم سب مل کر پاکستانی حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ ناموس رسالتؐ قانون اور دیگر اسلامی شقوں کو چھیڑنے کی جسارت نہ کرے۔

☆ قوم کو استغفار کی طرف مائل کریں کہ وہ دورنگی چھوڑ کر صبغت اللہ اور ادخلوا فی سلم کآفہ کی طرف آجائے۔

☆ ہر موقع کے لئے خصوصی پلاننگ کریں۔ ربیع الاول میں ہم بھرپور طریقے سے ناموس رسالت ﷺ کی مہم چلائیں اور ربیع الاول کو بطور رجوع الی اللہ اور سنت رسول ﷺ پر عمل کا مہینہ منائیں۔

☆ یہ بھی سوچا جائے کہ میڈیا پر کام کیسے کیا جائے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے دعوت کیسے ہو جو ایک جانب ان کافروں کو جواب دینے کا ذریعہ بنے تو دوسری جانب اسلام کی صحیح تصویر پیش کرے۔

☆ مغرب کا اصل مکروہ چہرہ لوگوں کے سامنے بے نقاب کیا جائے۔ ان کی سرمایہ دارانہ اور سودی معیشت کی تباہ کاریاں واضح کی جائیں۔

☆ وہاں کی عورت کی حالت زار اعداد و شمار میں پیش کی جائے

☆ جن ناپاک ہاتھوں نے خاکے بنائے ان کی اشیاء کا بائیکاٹ کیا جائے

☆ جن حکمرانوں نے ان کا ساتھ دیا، ان سے نجات حاصل کی جائے۔

☆ طلباء و طالبات کو بھی اس مہم میں شامل کیا جائے

☆ پرامن احتجاج آج کا ہتھیار ہے اس کے طریقے سوچے جائیں۔

☆ مغربی تہذیب اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔

یہودیوں کی بڑی بڑی کمپنیاں پوری دنیا میں پنجے گاڑے لوگوں کا خون چوس رہی ہیں اور افسوس ہمارے حال پر..... ہم پیپسی اور کوک کے بغیر جی سکتے ہیں نہ لکس اور ہیڈ اینڈ شولڈر کے بغیر طہارت حاصل کر سکتے ہیں! جب تک ہمارا شعور بیدار نہ ہوگا۔ وہ ہمارے ہی خون پسینہ سے منافع حاصل کر کے ہمیں ہی باجگزار بنا کر رکھیں گے اور ان کی یہ بڑی بڑی کمپنیاں اپنے منافعوں سے بڑی رقوم اسرائیل اور دشمنان اسلام کو دے کر ہمارا قتل عام کراتی رہیں گی۔ میڈیا پر بیش قیمت اشتہارات کے ذریعے ان پروگراموں کو چلاتی رہیں گی جو دن رات شعائر اسلام کا مذاق اڑانے میں مصروف ہیں کبھی ''خدا کے لئے'' قسم کی فلموں کی صورت میں کبھی برقعہ ویگنز ا، اور دیگر ڈراموں کی صورت میں، کبھی فیس بک اور یوٹیوب پر پیارے نبی ﷺ کے خاکے بنانے کی صورت میں!

حقیقت یہ ہے کہ ''بائیکاٹ'' اگر بھرپور طریقے سے کیا جائے تو چند دنوں میں ان کو ناکوں چنے چبوائے جا سکتے ہیں۔ ڈنمارک کے اخبار نے خاکے بنائے تو عرب ممالک کے چار دن کے بائیکاٹ میں ان کا ایک ارب ڈالر کا نقصان ہوا۔ فیس بک کا بائیکاٹ روزانہ اربوں ڈالر کے خسارے کی صورت میں سامنے آیا۔ Telenor کا ریونیو ایک ماہ میں آدھا رہ گیا۔ ایک ارب 45 کروڑ مسلمانوں میں سے آدھے بھی بائیکاٹ کر دیں تو ان کے ہوش ٹھکانے آجائیں۔ کیا ہم نبی ﷺ کی نصرت کے لئے کچھ وقت لذتیں ترک کرنے کی ہمت رکھتے ہیں؟ آیئے عہد کریں ہم ان تعیّشات کا بائیکاٹ کریں گے اور اس کے ذریعے اپنے مسلمان مجاہدین کی نصرت کا ذریعہ بنیں گے خواہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں۔ ☆☆☆

سوالی

ایک انبار ہے گناہوں کا
میں سوالی تری نگاہوں کا

ایک مدت سے جستجو ہے تری
دے پتہ مجھ کو اپنی راہوں کا

اے خدا مجھ کو نا خدا سے بچا
میں ہوں طالب تری پناہوں کا

اک ترا نام ہے بہت مجھ کو
بادشہ تُو ہے بادشاہوں کا

خوف آتا ہے شہہ نشینی سے
دیکھ کر حال کج کلاہوں کا

ہو کرم کی نظر خدا اب تو
خون بہتا ہے بے گناہوں کا

طارق محمود طارق۔دمام

آمدِ رسول ﷺ

آگ پھیلی تھی گاؤں گاؤں میں
ان کہی سی جلن تھی پاؤں میں
زہر پھیلا ہوا تھا پانی میں
ہونٹ پیاسے تھے آبناؤں میں
فاصلے تھے کٹھن شعاعوں کے
راج تھا دھند کا فضاؤں میں
زندگی موت کو ترستی تھی
اک رمق تک نہ تھی صداؤں میں
اجنبی تھی زبان چہروں کی
خوف کا لرزہ تھا فضاؤں میں
تھی غلط سمت بادبانوں کی
بے دلی سی تھی ناخداؤں میں
حرفِ اقرأ حرا سے یوں ابھرا
چاند جیسے سیہ گھٹاؤں میں
جانبِ شہر آئے مزّملؐ
روشن آیات کی شعاعوں میں
دعوت لا الہٰ الا اللہ!
کھب گئی فکر کی نواؤں میں
چہچہائے طیور شاخوں پر
کھلبلی مچ گئی فضاؤں میں
ہاتھ پھولوں کی ڈالیاں لے کر
آگئی پھر بہار گاؤں میں
ہر رویے پہ مُہرِ مہر لگی
حسنِ خیر آگیا اداؤں میں
خوش سلیقہ ہوئی نفاست بھی
روح کی ملگجی قباؤں میں
ہوئی توحید کی کشش دل کش
شرک کی بد چلن ہواؤں میں

اُم عبد منیب

طوفان کہاں سے اٹھتا ہے

اِک آگ سلگتی ہے دل میں سینے میں دھواں سا گھٹتا ہے
یہ آمد و شد ہے سانس کی اب، دم آتے جاتے رکتا ہے

موجیں ہیں تلاطم خیز بہت ، ہے تیرہ و تار فضا ہر سو
اتنا تو کوئی سمجھا دیتا ، طوفان کہاں سے اٹھتا ہے

ہیں عُریاں منظر ہوشربا، یہ قوم ہوئی کتنی رُسوا
اس دھیمی دھیمی آنچ پہ دل دیوانہ جلتا بجھتا ہے

یہ قوم کبھی رکھتی تھی حیا ، اللہ کے آگے جھکتی تھی
اے دیدۂ حیراں دیکھ لیا ، کوئی کس کے آگے جھکتا ہے

یہ گمراہی بے راہ روی ہم روزِ جزا کو بھول گئے
وہ ساعت آن ہی پہنچی ہے کہتے ہوئے دل بھی دکھتا ہے

اے کاش یہ ملت جاگ اٹھے اور ہوش و خرد سے کام بھی لے
امید کے رنگیں دھاگوں سے کوئی تانے بانے بنتا ہے

وہ بات دلیل و عرفاں کی یا عقل و شعور کی ہو نزہتؔ
ہر بات صدائے صحرا ہے اب کون کسی کی سنتا ہے

ڈاکٹر نزہت اکرام

غزل

نیند اس کی ہے خواب میرے ہیں
رات بھر کے عذاب میرے ہیں

لے اُڑا وقت، رنگ اور خوشبو
اب یہ بکھرے گلاب میرے ہیں

کھلنا چاہوں مثالِ گل اس پر
مجھ کو مانع حجاب میرے ہیں

آسماں پر مہ و نجوم نہیں !!
ضوفشاں اضطراب میرے ہیں

چین سے کیسے زندگی گزرے
ذہن میں انقلاب میرے ہیں

کیسے آئے یقین رخشندؔہ
جان و دل سے جناب میرے ہیں

رخشندہ نوید

غزل

زبانِ خلق اب تقدیرِ عالم ہوتی جاتی ہے
کہ محفل رفتہ رفتہ اور برہم ہوتی جاتی ہے

ادھر کچھ لوگ بھی بے ربط سا مفہوم رکھتے ہیں
اُدھر واعظ کی بھی تقریر مبہم ہوتی جاتی ہے

کہانی سنتے سنتے تھک گئے ہیں ظلمتِ شب کی
سبھی چپ ہیں مگر ہر آنکھ پُرنم ہوتی جاتی ہے

مٹانے کی جسے ہونے لگی ہے سعیِ لا حاصل
وہی تقدیر آنکھوں میں مجسّم ہوتی جاتی ہے

کہیں ایسا نہ ہو شیرازۂ ہستی بکھر جائے !
ذرا دیکھو تو دھڑکن دل کی مدھم ہوتی جاتی ہے

صدا صحرا میں بھی تحلیل ہو جائے تو ہونے دو
روایت زندگی کی اور محکم ہوتی جاتی ہے

چراغ آگہی روشن اگر کر لو تو اچھا ہے
کہ راحتؔ روشنی اب دن کی بھی کم ہوتی جاتی ہے

راحت چغتائی

میرے بچو!

ایک ماں کا بچوں کے لئے پیغام

(ارشادعرشی ملک)

میرے بچو، گر تم مجھ کو بڑھاپے کے حال میں دیکھو
اُکھڑی اُکھڑی چال میں دیکھو
مشکل ماہ وسال میں دیکھو
صبر کا دامن تھامے رکھنا
کڑوا گھونٹ ہے یہ پر چکھنا
اُف مت کہنا، غصے کا اظہار نہ کرنا
میرے دل پر وار نہ کرنا
ہاتھ مرے گر کمزوری سے کانپ اٹھیں
اور کھانا، مجھ پر گر جائے تو
مجھ کو نفرت سے مت تکنا، لہجے کو بیزار نہ کرنا
بھول نہ جانا ان ہاتھوں سے تم نے کھانا کھانا سیکھا
جب تم کھانا میرے کپڑوں اور ہاتھوں پر مل دیتے تھے
اور میں تمہارا بوسہ لے کر ہنس دیتی تھی
کپڑوں کی تبدیلی میں گر دیر لگا دوں یا تھک جاؤں
مجھ کو سست اور کاہل کہہ کر، اور مجھے بیمار نہ کرنا
بھول نہ جانا کتنے شوق سے تم کو رنگ برنگے کپڑے پہناتی تھی
اک اک دن میں دس دس بار بدلواتی تھی
میرے یہ کمزور قدم گر جلدی جلدی اٹھ نہ پائیں
میرا ہاتھ پکڑ لینا تم، تیز اپنی رفتار نہ کرنا
بھول نہ جانا، میری انگلی تھام کے تم نے پاؤں پاؤں چلنا سیکھا
میری بانہوں کے حلقے میں گرنا اور سنبھلنا سیکھا
جب میں باتیں کرتے کرتے، رک جاؤں، خود کو دہراؤں
ٹوٹا ربط پکڑ نہ پاؤں، یادِ ماضی میں کھو جاؤں
آسانی سے سمجھ نہ پاؤں، مجھ کو نرمی سے سمجھانا
مجھ سے مت بے کار الجھنا، مجھے سمجھنا
اکتا کر، گھبرا کر مجھ کو ڈانٹ نہ دینا
دل کے کانچ کو پتھر مار کے کرچی کرچی بانٹ نہ دینا
بھول نہ جانا جب تم ننھے منے سے تھے
ایک کہانی سو سو بار سنا کرتے تھے
اور میں کتنی چاہت سے ہر بار سنایا کرتی تھی
جو کچھ دہرانے کو کہتے، میں دہرایا کرتی تھی
اگر نہانے میں مجھ سے سستی ہو جائے
مجھ کو شرمندہ مت کرنا، یہ نہ کہنا آپ سے کتنی بو آتی ہے
بھول نہ جانا جب تم ننھے منے سے تھے اور نہانے سے چڑتے تھے
تم کو نہلانے کی خاطر
چڑیا گھر لے جانے کا میں تم سے وعدہ کرتی تھی
کیسے کیسے حیلوں سے تم کو آمادہ کرتی تھی
انٹرنیٹ، موبائل جیسی نئی نئی ایجادوں کو
گر میں جلدی سمجھ نہ پاؤں، وقت سے کچھ پیچھے رہ جاؤں
مجھ پر حیرت سے مت ہنسنا، اور کوئی فقرہ مت کسنا
مجھ کو کچھ مہلت دے دینا شاید میں کچھ سیکھ سکوں
بھول نہ جانا
میں نے برسوں محنت کر کے تم کو کیا کیا سکھلایا تھا
کھانا پینا، چلنا پھرنا، ملنا جلنا، لکھنا پڑھنا
اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اس دنیا کی، آگے بڑھنا
میری کھانسی سن کر گر تم سوتے سوتے جاگ اٹھو تو
مجھ کو تم جھڑکی نہ دینا
یہ نہ کہنا، جانے دن بھر کیا کیا کھاتی رہتی ہیں
اور راتوں کو کھوں کھوں کر کے شور مچاتی رہتی ہیں
بھول نہ جانا میں نے کتنی لمبی راتیں
تم کو اپنی گود میں لے کر ٹہل ٹہل کر کاٹی ہیں
گر میں کھانا نہ کھاؤں تو تم مجھ کو مجبور نہ کرنا
جس شے کو جی چاہے میرا اس کو مجھ سے دور نہ کرنا
پرہیزوں کی آڑ میں ہر پل میرا دل رنجور نہ کرنا
کس کا فرض ہے مجھ کو رکھنا
اس بارے میں اک دوجے سے بحث نہ کرنا
آپس میں بے کار نہ لڑنا
جس کو کچھ مجبوری ہو اس بھائی پر الزام نہ دھرنا
گر میں اک دن کہہ دوں عرشیؔ اب جینے کی چاہ نہیں ہے
ساتھ مرے جتنے بھی تھے اب کوئی بھی ہمراہ نہیں ہے
تم مجھ پر ناراض نہ ہونا
جیون کا یہ راز سمجھنا
برسوں جیتے جیتے آخر ایسے دن بھی آجاتے ہیں
جب جیون کی روح تو رخصت ہو جاتی ہے
سانس کی ڈوری رہ جاتی ہے
شائد کل تم جان سکو گے، اس ماں کو پہچان سکو گے
گرچہ جیون کی اس دوڑ میں، میں نے سب کچھ ہار دیا ہے
لیکن، میرے دامن میں جو کچھ تھا تم پر وار دیا ہے
تم کو سچا پیار دیا ہے
جب میں مر جاؤں تو مجھ کو
میرے پیارے رب کی جانب چپکے سے سرکا دینا
اور دعا کی خاطر ہاتھ اٹھانا
میرے پیارے رب سے کہنا، رحم ہماری ماں پر کر دے
جیسے اس نے بچپن میں ہم کمزوروں پر رحم کیا تھا
بھول نہ جانا، میرے بچو! جب تک مجھ میں جان تھی باقی
خون رگوں میں دوڑ رہا تھا
دل سینے میں دھڑک رہا تھا
میرا ہر اک سانس دعا تھا!

خدیجہؓ! تیری عظمت کو سلام

''اوئے چھوٹے .....لکشمی کانت پیارے لال..... ذرا ادھر تو آ ؤ۔ کیا گنگنا رہے ہو؟'' سر سے پاؤں تک میڈیکل کے تھرڈ پروف کے امتحانات کی تیاری میں مگن مغیرہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو پکارا جو ماچس کی خالی ڈبیہ سے ٹرین بنائے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

بڑے بھائی کی آواز سن کر دس سالہ منیب سہم گیا اور اپنا سامان سمیٹنے لگا۔

''سنا نہیں تم نے۔ کیا کہہ رہا ہوں میں؟ ادھر آ ؤ کچھ نہیں کہوں گا میں.....'' مغیرہ نے قدرے بلند آواز میں ڈپٹ کر بلایا۔

منیب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا آیا اور خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

''اب گونگے بن گئے ہو..... کیا گا رہے تھے ابھی؟'' مغیرہ نے کہا۔

''کچھ نہیں بھائی جان ..... میں تو بس .....م ..... میں۔'' منیب ہکلایا۔

''ارے واہ اور جو پچھلے پندرہ بیس منٹ سے گا رہے تھے۔ ہم تمھیں چاہتے ہیں ایسے.....وہ کیا تھا؟ کشور کمار کی بدروح یا کچھ اور؟''

منیب کا چہرہ فق ہو گیا وہ اپنے بھائی جان کی مار سے واقف تھا۔ ابھی کل ہی تو علینہ کو 'منی بدنام ہوئی ڈارلنگ تیرے لیئے' گاتے سنا تو زوردار تھپڑ مارا تھا..... پورا گھنٹہ علینہ روتی بلکتی رہی تھی..... ہائے اب کیا ہوگا.....اسے کیا خبر تھی کھڑکی سے بھائی جان کمرے میں سب دیکھ اور سن رہے ہیں.....اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

مغیرہ نے جو یہ صورت حال دیکھی تو دس روپے والٹ سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھے.....''لو یہ پیسے کسی کو نہ بتایا چپس یا بسکٹ لے لینا بس ایک دفعہ سنا دو کیا گا رہے تھے۔''

منیب نے ڈرتے ڈرتے دس روپے پکڑے اور جھجکتے جھجکتے گانا شروع کر دیا.....

لمحہ بھر میں اس کی آواز کا سحر چاروں اور پھیل چکا تھا.....علینہ کسی کام سے جو بھائی جان کے کمرے کے پاس سے گزری تو منیب کو خشوع و خضوع سے گاتے پایا.....ذرا سا پردہ سرکا کر دیکھا۔

ارے واہ بڑی دوغلی پالیسی ہے۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بھیا گانا سن رہے ہیں اور کل میرے منہ پر کیا زور سے طمانچہ مارا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے بھاگتی کچن میں گئی۔

''امی.....امی.....امی جلدی سے آئیں۔''

امی بریانی بنا رہی تھیں، مصروف رہیں۔ علینہ نے بلند آواز میں کہا۔

''امی پلیز ایک منٹ کے لیے میری بات سنیں۔ میرے ساتھ بھیا کے کمرے تک آئیں ایک منٹ کے لیے.....جلدی سے.....'' وہ ہاتھ پکڑ کر امی کو لے گئی ..... بی ایس سی فرسٹ پارٹ کے امتحانات میں مصروف نیہہ آپی بھی شور سن کر ساتھ ہو لیں۔

علینہ نے بھیا کے کمرے کے اندر جانے سے دونوں کو منع کر دیا۔ منیب کا گانا اختتام پر تھا۔

''مرنے والا کوئی.....مرنے والا کوئی زندگی چاہتا ہو جیسے ہم تمھیں چاہتے ہیں ایسے.....''

امی نے دھڑ سے دروازہ کھولا۔ علینہ اور نیہہ آپی دونوں ان کے پیچھے پیچھے۔

''واہ بھئی واہ یہ فائنل کی تیاری ہو رہی ہے، شاباش بڑے

صاحبزادے۔'' امی نے تو پوں کا رخ مغیرہ کی طرف کیا۔

''ذرا شرم کرو اپنی عمر دیکھو اور اپنے کام دیکھو چھوٹے بھائی سے ایسے بیہودہ گانے سنے جا رہے ہیں۔ پتہ ہے کل تم بائیس سال اور تین ماہ کے ہو رہے ہو؟''

''وہ.....میں.....'' مغیرہ امی اور نبیہہ کو اکٹھے دیکھ کر گڑبڑا گیا۔

''اور.....تم.....چھوٹے میاں تم گانے سنا رہے ہو؟ عمر دیکھی ہے دس سال اور حرکتیں.....؟'' امی نے اب منیب کو لتاڑا۔

''امی ذرا بھیا کی منافقت دیکھیں کل ہوم ورک کرتے ہوئے بے دھیانی میں میرے منہ سے گانے کا پہلا بول نکلا تو انھوں نے میرے منہ پر طمانچہ لگایا تھا.....''

تیرہ سالہ علینہ کو اپنی گفتگو میں بوجھل اور وزنی لفظ ڈالنے کا بڑا شوق تھا۔ وہ منہ پر طمانچے والی جگہ پر ہاتھ رکھ کر بولی.....کل کے طمانچے کا زخم از سر نو تازہ ہو گیا تھا۔

''اور کیا''.....امی نے تائید کی، کل تو بعد میں گھنٹہ بھر باجا بجا تھا علینہ کا، وہ باجا کتنی فرمائشیں پوری کر کے بند ہوا تھا یہ وہی جانتی تھیں.....

''امی سوری ..... میرے کلاس فیلو کو یہ گانا بہت پسند تھا .....'' آہستہ سے بھیا نے کہا۔

''استغفر اللہ، عذر گناہ بدتر از گناہ.....'' امی چیخ کر بولیں.....

''کلاس فیلو کو گانا پسند ہے تمھارے لیے وہ کام جائز ہو گیا۔''

''افوہ.....آپ تو ہر چیز کے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ یہ بھی بھلا کوئی بات ہے۔'' مغیرہ نے چڑ کر کہا اور کتاب ایک طرف رکھی۔ علینہ کا از سر نو باجا شروع ہو گیا.....ایک دم ہی امی نے کسی چیز کا سہارا لینا چاہا اور چکرا کر صوفے پر گر پڑیں۔

''امی.....امی.....'' نبیہہ گھبرا کے آگے بڑھی۔

''امی کیا ہوا.....؟'' فق چہرے کے ساتھ مغیرہ نے کہا۔

علینہ کا باجا ایک دم بند ہو گیا اور وہ کمرے سے نکل گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے منیب بھی کھسک گیا۔

چند لمحوں کے بعد امی نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مغیرہ نے دیکھا.....

امی کا رنگ پیلا اور چہرے پر پریشانی ہی پریشانی تھی.....وہ خود امی کے اتنے شدید ردعمل پر بڑا حیران تھا۔ ماں کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے بولا۔

''امی میرے میٹرک کے ایک کلاس فیلو کو یہ گانا بہت پسند تھا۔ لڑکوں نے یہ گانا اس کی ''چھیڑ'' بنا لی تھی۔ جب بھی کوئی لڑکا یہ گانا گانا شروع کرتا اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسوؤں کی برسات شروع ہو جاتی، اللہ جانے کیا معاملہ تھا اسی عالم میں وہ یہ دنیائے فانی چھوڑ بیٹھا..... بس اس کی یاد آئی تو گانا سنتے ہوئے لاشعوری طور پر وہی کلاس فیلو تھا..... آپ خوامخواہ اتنی ٹینشن لے رہی ہیں۔''

امی نے نقاہت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''یہ بات نہیں..... مجھے تو چکر آ گیا تھا، بلکہ دل گھبرا رہا تھا.....۔''

''دل گھبرا رہا تھا؟ خیریت تو ہے بی پی چیک کروایا ہے؟'' اس نے ایک سانس میں کئی سوال کر دیے۔

امی بغیر کچھ کہے باورچی خانے میں چلی گئیں جہاں چاول دم پر رکھے ہوئے تھے۔

☆☆☆

''زنیرہ.....زنیرہ بیٹے آج کھانے پینے کا کوئی ارادہ نہیں؟'' دادی اماں نے بہو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جو چھوٹے صحن میں رکھی چارپائی پر نڈھال بلکہ گم سم لیٹی ہوئی تھیں۔

دادی کی آواز سن کر منیب اور علینہ بھی کونے کھدروں سے نکل آئے۔

''امی بھوک لگی ہے۔ کھانا کب بنے گا؟''

امی نے کام والی بچی کو آواز لگائی اور دہی بڑوں کا ڈونگہ اٹھا کر کھانے والے کمرے میں چلی گئیں۔ ان کے وجود پر سستی ہی سستی چھائی ہوئی تھی۔ چند منٹوں میں دسترخوان پر بریانی، دہی بڑے، سلاد اور چاول نہ کھانے والوں کے لیے بگھارے بینگن بمعہ روٹیاں موجود تھے۔

''واہ، بہت مدت کے بعد بریانی کا دیدار ہو گا.....امی کے ہاتھ کی.....'' مغیرہ نے ہاسٹل سے آنے کے بعد بریانی کا سن کر کہا۔

جونہی دادی اماں نے بریانی کی پتیلی کا ڈھکن اٹھایا اور اس کی خوشبو

چاروں اور پھیلی، امی ایک دم ناک پر دوپٹہ رکھے باہر بھاگیں۔

''پانچ سات منٹ کے بعد ان کا پیغام آ گیا کہ آپ لوگ کھانا کھا لیں میری طبیعت ٹھیک نہیں.....۔''

''کمال ہے صبح سے ایسے ہی کہے جا رہی ہے اور ڈاکٹر کے پاس جا نہیں سکتی.....'' دادی اماں نے کہا۔

نبیہہ نے مغیرہ کو اشارہ کیا کہ کھانے کے بعد امی کو ڈاکٹر عابد کے کلینک پر ضرور لے جانا۔

☆☆☆

عصر کی نماز پڑھ کر مغیرہ اور ابو اکٹھے ہی گھر داخل ہوئے۔

''یار تمھاری امی نے رات سے کچھ نہیں کھایا میرا خیال ہے معدہ اپ سیٹ ہو گیا ہے، کھٹے ڈکار اور متلی سی ہوتی ہے، کسی ہسپتال میں تو ٹائم نکال کے لے جاؤ.....'' ابو نے کہا۔

''ٹھیک ہے ابو، ڈاکٹر عابد کے پاس لے جاؤں گا..... کچھ کیپسول تو کل میں نے دیے تھے۔ انھوں نے لیے نہیں ورنہ اتنی بیمار نہ ہوتیں۔''

☆☆☆

''امی امی .....جلدی سے میرے ساتھ چلیں، میں نے ڈاکٹر عابد صاحب سے ٹائم لے لیا ہے.....'' گھر میں داخل ہوتے ہی مغیرہ نے بآواز بلند کہا۔

''اوہو! امی آپ تو ابھی تک اسی کیفیت میں ہیں۔'' امی کو چھوٹے صحن میں وہی صم بکم والی حالت میں دیکھ کر مغیرہ نے کہا۔

امی بے دلی سے اٹھیں.....''بس معدہ خراب ہے اور تو کوئی مسئلہ نہیں.....'' انھوں نے کہا۔

''تو معدہ ہی کو درست کروالیں..... ہری اپ۔'' اس نے امی کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا.....ان کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا.....ان کی یہ حالت دیکھ کر اس نے موٹر بائیک کی بجائے گاڑی نکال لی..... چند منٹ کے اندر اندر وہ مین روڈ پر تھے..... ڈاکٹر عابد کا کلینک شہر کے تمام مشہور بازار گزر کر آتا تھا۔ جونہی پہلے چوک پر گاڑی رکی امی ایک دم بولیں۔

''روکنا.....گاڑی روکنا بیٹے.....۔''

''ہائیں آپ کو کیا ہوا؟'' حیرانی سے مغیرہ نے کہا۔

''یہ.....'' امی نے لہوری چنوں کی بہت بڑی دکان کی طرف اشارہ کیا۔

''تھوڑے سے لہوری چنے تو لا دو، بہت دل چاہ رہا ہے۔'' مغیرہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور خوب ہنسنے کے بعد مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔''لو جی کر لو گل.....ساری زندگی لیکچر سنتے رہے کہ بازار کی چیزیں، صحت اور پیسے کی دشمن.....آج یہ.....''

امی شرمندہ سی ہو گئیں.....''بس ایک دم دل چاہا تھا۔''

''ا.....و.....ہو، شرمندہ نہ ہوں مائی ڈیئر امی جان آپ کا تابعدار بیٹا ابھی حکم کی تکمیل کرتا ہے.....اتنی دیر آپ فرحت ہاشمی کا ''فضول خرچی اور اسراف'' پر یہ لیکچر سنیں۔'' اس نے شرارت سے ماں کے ہاتھ میں کیسٹ تھمائی۔

☆☆☆

''توبہ ہے آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا.....تمام ٹیسٹ رپورٹس بالکل نارمل ہیں۔ ایچ بی ، شوگر، بلڈ کمپلیٹ۔''مغیرہ نے دو گھنٹے مختلف لیبارٹریوں میں گزارنے کے بعد ماں کو رپورٹس تھمائیں۔ تین دن سے وہ پڑھائی کے بجائے ماں کی تیمارداری میں تھا۔ بلڈ پریشر اور ٹمپریچر سے لے کر ہر رپورٹ صحیح تھی..... پتہ نہیں خرابی کہاں ہے.....اس نے تھک کر سوچا۔ ان دو تین دنوں میں امی کی صحت تیزی سے گر رہی تھی۔ کھانا پینا بالکل چھوٹ گیا تھا.....ابو نے اسے کہا کہ تم یہ سب مجھ پر چھوڑو اور اللہ کا نام لے کر ہسپتال چلے جاؤ۔

مغیرہ جانا نہیں چاہ رہا تھا لیکن امتحانات کی سولی پر چڑھنا ہی تھا۔ چھٹکارا نہ تھا، گھر میں پڑھائی بالکل نہیں ہو رہی تھی اس لیے ایک آدھ دن میں اس نے جانے کا پروگرام بنا ہی لیا۔

☆☆☆

''امی آپ بتاتی کیوں نہیں آپ کو کیا مسئلہ ہے؟'' نبیہہ نے کہا۔

''اتنا تو آپ منیب کے پیدا ہونے سے پہلے بھی بیمار نہیں تھیں.....۔'' بے سوچے سمجھے نبیہہ نے کہا۔

''منیب کی دفعہ'' زیرلب امی نے کہا۔ چہرے پر ہوائیاں سی اڑیں اور کمرے سے نکل گئیں۔

''علینہ ،علینہ کہاں ہو.....؟''

ہوم ورک میں مصروف علینہ ہوم ورک چھوڑ کر اٹھ بیٹھی۔

''جی امی کہیں جانا ہے آپ کو.....؟''

''جی میرے ساتھ چلو.....'' رکشہ والے کو ہاتھ دیا اور پانچ منٹ میں وہ یونائیٹڈ لیبارٹریز کے سامنے موجود تھیں۔

''جی بی بی جی'' لیب اسسٹنٹ نے انھیں دیکھ کر کہا۔ شاپر اور ایک چٹ انھوں نے اس کے آگے کی۔

لیب اسسٹنٹ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

چہرے مہرے سے خاتون پچاس کے لگ بھگ تھیں لیکن ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ شاطرانہ نظروں سے اس نے ان کے ساتھ کھڑی علینہ کی طرف دیکھا.....چھوٹی سی معصوم بچی۔

''ہاں جی بیگم صاحبہ، کس کی رپورٹ ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''بیگم محمود اکبر.....'' آہستہ سے انھوں نے کہا۔ ان کے ہونٹ مسلسل کسی ورد میں مصروف تھے۔

چند منٹوں کے بعد لیب اسسٹنٹ نے رپورٹ ان کے ہاتھوں میں تھمائی۔

''مبارک ہو جی پوزیٹو رپورٹ ہے۔''

رپورٹ، ان کے بے جان ہاتھوں سے نیچے گر پڑی جو علینہ نے اٹھائی۔

خدا جانے رکشہ والے کو کیا کہا اور کیا نہیں کہا۔ گھر آنے کا بھی کچھ پتہ نہ چلا۔ دیر تک رکشہ ڈرائیور سواری کے اترنے کا منتظر رہا۔

''رکشہ چھڈو جی بیگم صاب''.....تنک کر رکشہ ڈرائیور نے کہا۔

تیس روپے اسے پکڑا کر وہ گھر پہنچیں تو ان کا وجود تنکے کی طرح بے آسرا اور آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری ہوئی تھیں۔

☆☆☆

''اچھا امی! آپ بہت دعا کریں میرے ایگزامز کے لیے مجھے وائیوا سے بہت ڈر لگتا ہے ابھی تک.....'' مغیرہ جانے کی خبر لے کر آیا.....

اس دفعہ اس نے خود ہی اپنی تیاری کی۔ امی تو کسی چیز میں دلچسپی ہی نہیں لے رہی تھیں۔ اب بھی خدا جانے وہ کہاں سے آئی تھیں۔ دو گھنٹوں سے منہ پر دوپٹہ ڈالے لیٹی ہوئی تھیں۔ اس نے پھر مخاطب کیا۔

''امی.....امی میں جا رہا ہوں۔ دیر ہو رہی ہے۔ آیات کا دم نہیں کریں گی مجھ پر.....؟'' مغیرہ نے ان کے منہ سے دوپٹہ پرے کیا۔

اف.....رو رو کر چہرہ سوجا ہوا تھا۔

''امی کیا ہو گیا ہے آپ کو؟'' پریشان ہو کر وہ زمین پر ہی بیٹھ گیا۔

''امی خدا کے لیے'' اس نے امی کو ہلایا اور ساتھ ہی یونائیٹڈ لیبارٹریز کا سفید لفافہ ان کی گود سے نیچے گرا۔

جونہی مغیرہ نے لفافہ اٹھانا چاہا، امی نے کسی چیل کی طرح جھپٹ کر وہ لفافہ چھینا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

''ام.....می.....'' مغیرہ ہکا بکا ماں کو جنونیوں والی حالت میں دیکھ رہا تھا۔

''امی کس کی رپورٹ تھی؟ آپ نے کیوں پھاڑ دی؟'' مغیرہ نے رپورٹ کے ٹکڑے جوڑتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے بس تم جاؤ۔ اللہ حافظ.....'' وہ آنسو پونچھ کر اٹھ بیٹھیں۔

مغیرہ بہت دیر حیرانی سے ماں کی طرف دیکھتا رہا.....پھر سر جھٹک کر بیگ اٹھا کر نکل گیا۔ اس کا ہی قول تھا۔ ''وقت اور ڈائیو کسی کا انتظار نہیں کرتے۔''

☆☆☆

دودھ ابل ابل کر فرش پر بہہ رہا تھا، جونہی دادی اماں باورچی خانے میں داخل ہوئیں، یہ دیکھ کر پھٹ پڑیں۔

''ارے زنیرہ بیگم کون سے غم غلط کرتی ہو سارا دن دودھ ابل ابل کر ختم ہو گیا اور ادھر بے خبری ہی بے خبری ہے۔''

''دادی اماں، امی تو لیٹی ہوئی ہیں اندر.....'' علینہ نے اطلاع دی۔

''ہائے.....'' دادی اماں نے ٹھنڈی آہ بھری.....''اور رونا کس

بات کا ہے۔ لیٹے لیٹے دن رات گزر رہے ہیں گھر بار کی کوئی پروا نہیں۔''

''چوبیس پچیس سالوں میں گھر کی جتنی میں پروا کر سکتی تھی وہ میں نے کی..... اب مجھ سے نہیں ہوتی .....'' خدا جانے زنیرہ بیگم کب دروازے سے نمودار ہوئیں اور چیخ کر بولیں۔

''آئے، تو چوبیس سالوں کے بعد ڈیوٹی بدلوانا چاہتی ہو؟'' دادی اماں نے سوال کیا۔

بغیر کچھ کہے امی نے ایک دو ضروری کام کیے۔ آج محمود سے بات کرنا ہی پڑے گی.....انھوں نے سوچا۔

☆☆☆

سب اہل خانہ پڑوس میں مرزا صاحب کے بیٹے کی دعوت ولیمہ میں جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اللہ اللہ کر کے سات آٹھ سالوں میں لڑکی پسند آئی اور اب دو سال بری کی تیاری میں گزر گئے..... امی جوں کی توں خاموشی سے لیٹی ہوئی تھیں۔

''امی اٹھیں ناں تیار ہو جائیں، دیر ہو رہی ہے۔'' علینہ نے کہا۔

''بیٹے آپ لوگ جاؤ، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''یہ کیا بات ہے آپ کے بغیر ہم کیسے جا سکتے ہیں؟'' منیب نے کہا۔

''تو میرے بغیر جانا سیکھ لو.....'' امی نے کہا۔

''اب اٹھیں ناں، جانا ہے یا نہیں.....'' نبیہہ کا منہ بنا ہوا تھا۔ دادی اماں، ابو، سب قائل کر کے تھک گئے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا ..... دادی اماں منیب کو لے کر چلی گئیں.....نبیہہ اور علینہ ماں کی وجہ سے نہ جا سکیں..... مدتوں سے فراز بھائی کی شادی کے لیے تیاریاں اور جوش و خروش کا اتنا عبرتناک انجام.....علینہ نے وہ رونا دھونا مچایا کہ الامان الحفیظ۔

☆☆☆

رات ڈیڑھ بجے کے قریب جب ڈیوٹی کے بعد محمود اکبر صاحب گھر داخل ہوئے تو کمرے سے سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔

یا اللہ خیر.....دل میں کہہ کر اندر داخل ہوئے۔ کمرے کی لائٹ بند تھی..... یقیناً پچھلے دس گیارہ روز سے جاری بیگم کی داستان المناک ہو گی۔

''اٹھو گی نہیں زنیرہ جی.....کیا کھانا بنا ہے؟''

زنیرہ بے حس و حرکت لیٹی رہیں۔

''وہی رونا تو نہیں پڑا ہوا روز والا .....'' جھلا کر انھوں نے کہا۔

زنیرہ بدستور خاموش رہیں..... بے نیاز، بیزار۔

''زونی.....اتنی سی بات پر اتنا شدید ردعمل خدا کو پسند آئے گا؟'' انھوں نے اسے جھنجھوڑا۔

زنیرہ پھٹ پڑیں۔ ''محمود صاحب یہ اتنی سی بات ہے۔''

''تو اور کیا پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں آپ پر۔'' محمود صاحب ہنسے۔

''صرف پہاڑ؟ اس سے بھی زیادہ۔'' بلند آواز میں زنیرہ نے کہا۔

''اچھ.....آ.....مثلاً؟'' محمود صاحب نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''آپ سمجھتے کیوں نہیں، میں کس امتحان سے گزر رہی ہوں آپ کو شوخیاں سوجھ رہی ہیں، میں کس ذہنی اذیت میں ہوں، آپ کو کیا پتہ، میرا دل چاہتا ہے.....میرا دل چاہتا ہے میں یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں دور ویرانے میں چلی جاؤں۔'' آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زنیرہ نے رونا شروع کر دیا۔

''استغفر اللہ! اللہ سے معافی مانگو.....کون سا ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جو تم دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں؟'' قدرے غصے سے محمود صاحب نے پوچھا اور کوٹ ٹائی اتار کر زنیرہ کے پاس آئے۔

زنیرہ کے ہاتھ سرد اور ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں..... ان آٹھ دس دنوں میں اس کا رنگ زرد اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑ گئے تھے.....انھیں اس پر ترس بھی آیا۔

''دیکھو ہم نے عمر کے پچیس سال اکٹھے گزارے ہیں۔ میری خوش فہمی آج غلط فہمی میں بدل گئی ہے کہ میں اور تم دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں۔ بالکل غلط.....اتنی معمولی سی بات یا میں سمجھا نہیں پا رہا یا تم سمجھنا نہیں چاہ رہیں کہ جس روح کو اللہ دنیا میں بھیجنا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور روکنا چاہے تو کوئی لا نہیں سکتا.....کیا تمھارا اس پر یا خدا کی لکھی تقدیر پر ایمان نہیں؟''

''لیکن آپ خود سوچیں .....اب میں آپ کو کیا کہوں ۔منیب گیارہ سال کا ہے.....اتنے عرصہ کے بعد.....آپ کو کیسے سمجھاؤں نہ میرے اندر وہ طاقت ہے نہ سٹیمنا جو درکار ہوتی ہے.....'' زنیرہ بے بسی سے بولی۔''میں تو اس کا اب تصور بھی نہیں کر سکتی.....میں تو ذہنی طور پر تیار تھی کہ میری عمر سینتالیس سال سے زائد ہے اور خدا نے مجھے ان تمام جھنجھٹوں سے آزاد کر دیا ہے جو حوا کی بیٹیوں کے نصیب میں لکھ دی گئی ہیں۔'' زنیرہ نے دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔''مجھے کیا پتہ تھا جس کو میں جھنجھٹوں کا خاتمہ سمجھ رہی تھی وہ تو ایک مزید جھنجھٹ کی تیاری ہے۔''

''لاحول ولا قوۃ.....اپنے بچوں کو.....اولاد کو تم جھنجھٹ کہہ رہی ہو؟'' محمود صاحب نے کہا۔

''تو اور کیا..... مجھے یہ سب نہیں چاہیے۔ میں کیا کروں؟'' ان دس دنوں میں وہ برسوں کی بیمار نظر آ رہی تھیں۔

''زنیرہ بیگم لوگ تو حرام پر اتنا واویلا نہیں کرتے جتنا آپ جائز اولاد پر کر رہی ہیں.....کچھ تو ہوش کے ناخن لیں.....بس ایک سوال کا جواب دیں، کیا آپ کے مسائل، حالات، اوپر والے کے علم میں نہیں؟ آپ جو بار بار ایک ہی گردان کر رہی ہیں''اس عمر میں.....'' ٹھیک ہے پہلے چار بچوں کی نسبت اب کے خاصا لمبا وقفہ ہے لیکن جو کام میرے یا آپ کے اختیار میں نہیں.....اور جو کام گناہ نہیں اس پر ہم شرمندہ کیوں ہوں؟ اور آپ کی عمر.....ابھی دس بارہ دن پہلے ماموں نعیم کی نواسی کی شادی میں آپ کا قول ہر دلعزیز تھا کہ میرج ہال میں لوگ بار بار پوچھ رہے تھے کہ آپ عنیہہ کی بڑی سسٹر ہیں؟ کل تک آپ کی اصل عمر کسی کو معلوم نہیں تھی آج آپ سینتالیس سال کا رونا رو رہی ہیں!!

ٹھنڈے دل سے سوچیں یہ سب کیوں ہے؟ اس لیے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ آپ نے اپنا سٹیٹس ایسے لوگوں کو بنایا ہی کیوں ہے جو دو یا تین بچوں تک محدود ہیں..... ہمارے مالی کے ہاں پچھلے ماہ نواں بچہ پیدا ہوا ہے.....ڈرائیور کے ہاں سات بچے ہیں..... مجھے پورا یقین ہے کہ اگر اللہ ان کو ایک اور بچہ دے تو یہ ناک منہ چڑھائے بغیر لیں گے جیسے ہماری ماؤں اور نانیوں دادیوں نے لیے.....میرے ابا کے سات بھائی اور چھ بہنیں تھیں۔تم لوگ آٹھ بہن بھائی ہو..... یہ سٹیٹس یہاں کیوں نظر نہیں آتا؟؟ اور ذرا یہ بھی بتاؤ، ہر طرح کی سہولتوں، ملازموں کی فوج ظفر موج کے باوجود ایک بچہ لانے میں تمھاری طاقت اور سٹیمنا ختم ہو رہا ہے..... تصور میں لاؤ وہ پاک ہستی جو دنیا کی نامور مالدار خواتین میں سے ہے۔ پیسہ جس کے گھر کی باندی ہے، جب وہ آپؐ سے نکاح کرتی ہیں تو عمر مبارک کے چالیس سال گزر چکے ہیں، دو شوہروں سے بچے بھی ہیں، لوگوں کو منہ دکھانے کی انھیں کوئی شرمندگی نہیں، بچے جوان ہیں، وہ شادی کرتی ہیں تو مالی آزمائشوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے.....دنیا کے کئی ممالک میں پھیلے کاروبار کی مالکن، وہ معزز بزنس وومن شعب ابی طالب میں روٹی کے لقمے کو ترستی ہے۔کہیں سے چمڑہ ملتا ہے تو پانی میں بھگو کر چوس کر گزارہ کرتی ہیں، ہر طرح کی آسائشوں کا خاتمہ برداشت کر لیتی ہیں اور اسی حالت میں چالیس سال عمر کے بعد پے در پے چار بچیوں اور دو بچوں کی ماں بنتی ہیں.....انھیں کوئی سٹیٹس کانشس نہیں تھا؟ انھوں نے طاقت کی کمی کا رونا نہیں رویا؟؟..... بے پناہ قربانیاں، بچوں کی پیدائش، ان کی پرورش، قریش کے ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹے.....اور وہ ہستی خوشحالی کا منہ دیکھے بغیر دنیا سے چلی گئیں۔مدینہ کی زندگی کا ایک لمحہ ان کے مقدر میں نہیں تھا.....!!!

کیا تم یہ حدیث قابل غور سمجھتی ہو کہ ایک دفعہ جبریلؑ امین آئے، وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ایک دم وحی کا سلسلہ منقطع ہوا۔آپؐ کے دریافت کرنے پر جبریل امین بولے۔''بی بی خدیجہ آ رہی ہیں.....اللہ تعالیٰ نے انھیں سلام بھیجا ہے۔میرا بھی انھیں سلام کہہ دیں۔''

کیا وہ اس عظمت اور رب ذوالجلال کی طرف سے سلام کی ایسے ہی حقدار ہو گئیں.....؟

تم مجھے بتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں۔ایک کل وقتی ملازمہ کا مزید بندوبست کر دیتا ہوں .....آپا صغریٰ فارغ ہیں وہ دو ماہ کے لیے آ جاتی ہیں نگرانی کا کام ان کے سپرد کر دینا.....اگر کہو تو اس عرصہ میں پکا پکایا منگوا لیا کروں گا.....تم جیسے چاہو ریسٹ لو..... یا کچھ اور؟''

لمبی تقریر کے بعد محمود صاحب کرسی سے اٹھے پانی کا گلاس منہ سے

لگایااوراپنے آپ پرقابو پانے کی کوشش میں بولے۔

''خدا کی قسم جب میں اس عورت کی عظمت کا سوچتا ہوں تو میرا دل پگھلنے لگتا ہے کہ پہلے شوہر سے جوان سال بیٹا..... بالکل ہمارے مغیرہ کی طرح..... اسلام کی راہ میں قربان کر دیا اور شہید کی ماں ہونے کا رتبہ حاصل کرلیا..... آپ نے ''صابرانہ رفاقت'' کا لفظ تو پڑھا ہوگا ناں..... کیا اس سے زیادہ کوئی عورت اس لفظ کے مفہوم پر پورا اتر سکتی ہے؟ اس ازدواجی زندگی کے دس سالوں میں صبر اور شکر سے گندھا وجود، پیکر تسلیم و رضا..... کوئی شکوہ شکایت نہیں..... ان دس سالوں میں کون سا غم ان پر نہیں ٹوٹا؟ کیا ان کی بیویوں والی خواہشات نہیں تھیں..... جذبات نہیں تھے۔

''بولو اور مجھے بتاؤ.....'' محمود صاحب نے زنیرہ سے سوال کیا۔

''کیا اس عورت کی پیروی کا کوئی عورت دعویٰ کر سکتی ہے؟ میں نے نبیہہ اور علینہ دونوں کی بار سوچا کہ ان کا نام خدیجہ رکھوں مگر میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا.....'' محمود صاحب کی آنکھوں کے گوشے نم تھے..... ٹشو سے آنسو پونچھ کر وہ کمرے سے نکل گئے۔

رات کے تین ساڑھے تین بجے تھے..... چار سو خاموشی اور سناٹا تھا، اندھیرا ہی اندھیرا..... انہی اندھیروں میں زنیرہ کو روشنی کی واضح لکیر دکھائی دی اور دیکھتے ہی دیکھتے روشنی کی وہ لکیر روشنی کا مینار بن گئی..... محمود صاحب کمرے میں آئے تو زنیرہ وضو کر کے جائے نماز بچھا رہی تھی۔

''فجر کی اذان میں تو ابھی دیر ہے'' محمود صاحب نے جماہی لی۔

''ہاں اذان میں دیر ہے لیکن میں دو نفل پڑھنا چاہتی ہوں۔ توبہ کے اور حاجت کے..... اللہ نے مجھے بیٹی دی تو میں اس کا نام خدیجہ رکھوں گی..... خدیجۃ الکبریٰ!''

گلاب

آسمان پر اڑتے پرندوں کی ڈار پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے کچھ دور کھیلتی اپنی بیٹیوں کو دیکھا ننھی منی بچیاں ہنستی کھلکھلاتی، کھیل میں مگن تھیں۔ بچیوں کے ہنستے مسکراتے چہروں نے جیسے اس کے اندر توانائیاں بھر دی تھیں۔ بے اختیار وہ بھی مسکرا اٹھی۔ کلائی میں پہنی قیمتی گھڑی سے اچانک دھیما سا ساز بجا تو وہ چونک اٹھی۔ ''اوہ چھ بج گئے!'' وقت دہراتے ہوئے اس نے بیٹیوں کی جانب قدم بڑھا دیے۔ ماں کو دیکھ کر بچیاں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتی ہوئی آئیں تو قریب کھڑی خاتون نے مسکراتے ہوئے دیکھا ''ماشاء اللہ یہ چاروں آپ ہی کی بیٹیاں ہیں؟'' یہ سوال اس کے لیے نیا نہیں تھا، کسی نہ کسی روپ میں گاہے بہ گاہے سامنے آتا ہی رہتا تھا۔ کبھی اس میں استعجاب ہوتا، کبھی ہمدردی تو کبھی افسوس کا رنگ۔

''جج جی!'' کچھ اٹکتے ہوئے کہتے ہوئے وہ ثمرہ کو آوازیں دینے لگی جو ماں کو آنٹی سے بات کرتا دیکھ کر جھولے پر بیٹھ چکی تھی۔ ''بیٹے ماشاءاللہ؟'' ان خاتون نے پھر سوال کیا۔ ''جی! جی بس یہ ہی چار بیٹیاں ہیں۔'' جواب دے کر اس نے وہاں سے ہٹنا چاہا۔ ''اچھا! میرے ہاں بھی تین بیٹیاں بیٹے ہی کے انتظار میں ہوتی چلی گئیں''۔ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ انھوں نے پرام کو دھکیل کر ایک طرف کیا تو اس کی نگاہ خوبصورت سے سرخ وسفید بچے پر پڑی جو لڑکا لگ رہا تھا۔

''کیا نام ہے آپ کے بیٹے کا؟'' اس نے بچے کے گالوں کو ہلکے سے نرمی سے چھوا۔ ''انعام الرحمٰن!'' ''انعام الرحمٰن'' اس نے نام دہرایا۔ یہ انعام آپ کی کس عمدہ کارکردگی پر آپ کا نصیب ہوا'' دھیمی سی آواز میں وہ ایسے بولی جیسے خود کلامی کی ہو۔

''آپ کا نام کیا ہے؟'' اب کے خاتون نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ ''ملیحہ دانش''۔ ''میری دلی دعا ہے ملیحہ کہ اللہ کرے اس بار آپ کے ہاں بھی بیٹا ہو۔'' انھوں نے ملیحہ کے پھیلے ہوئے سراپے کو دیکھتے ہوئے دعا دی تو وہ چند لمحے چپ سی ہوگئی۔

''صفا، ثانیہ!'' اس نے دور بھاگتی بیٹیوں کو آواز دی اور آگے بڑھ کر ثمرہ کو جھولے سے اتارنے لگی جسے سائرہ ہلکے ہلکے دھکیل رہی تھی۔

دعاؤں کی کمی نہیں ہے، بس مستجاب لمحے نصیب نہیں ہوئے۔ ملیحہ نے اپنے دوپٹہ کو مزید اپنے وجود پر پھیلاتے ہوئے سوچا۔

بچیوں کو لے کر گاڑی میں بیٹھتے ہی ان کی طرف سے آئس کریم کی فرمائش اس کو جز بز کر گئی۔ اس نے ایک بار پھر گھڑی دیکھی اور نفی میں سر ہلا دیا۔ ''سوری بیٹا! ڈیڈی کو لینے ایئرپورٹ بھی جانا ہے دیر ہو جائے گی۔'' بچیوں نے جواب سن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور خاموشی سے بیٹھ گئیں۔

گھر کے آہنی گیٹ پر ہارن بجاتے ہی گیٹ کھل چکا تھا۔ گاڑی اندر لے جاتے ہوئے اس کی نگاہ دوسرے گیٹ کے آگے بنے پورچ پر کھڑی ساس کی مخصوص گاڑی پر گئی تو اطمینان کی سانس لیتے ہوئے اس نے اپنی ساس کی رہائش گاہ کی طرف قدم بڑھا دیے۔

اندر داخل ہوتے ہی ممی جی اپنی تازہ کی گئی شاپنگ کے درمیان بیٹھی نظر آ گئیں۔ اس کی دیورانی بھی ان کے ساتھ موجود تھی جس کا گھر کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ ملیحہ کو آتا دیکھ کر انھوں نے اس کے لیے اپنے قریب رکھے سامان کو کھسکا کر جگہ بنائی۔ ''ممی دانش کی فلائٹ ساڑھے سات بجے کی ہے۔ ڈرائیور اگر فارغ ہے تو.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اپنی درخواست پیش کی۔ ''ڈرائیور تو مصروف

ہے آج بہت۔تم ایسا کرو خود لے آؤ۔'' بڑی ملائمت سے کہتے ہوئے ممی جی نے بہو کی توجہ اپنی کی گئی شاپنگ کی جانب کرانی چاہی۔''یہ دیکھو جگ، گلاس کا سیٹ ہما کے لیے لیا ہے میں نے، اور یہ پیالہ تمھارے لیے۔'' انھوں نے ڈبے اس کے آگے بڑھائے، خوبصورت فرانسیسی کٹ گلاس سے روشنی کی رنگ برنگی دھاریاں بن رہی تھیں۔ ''بہت ہی پیارا ڈیزائن ہے!'' اس نے سامنے بیٹھی ہما کو دیکھتے ہوئے تعریف کی تو اس نے صرف مسکرانے ہی پر اکتفا کیا۔

بلوریں شیشے پر نقش کاری والا پیالہ اسے قیمتی تو لگا مگر فی الحال مصرف اس کی سمجھ میں نہ آیا۔''اچھا ممی میں چلتی ہوں ایئرپورٹ بھی جانا ہے۔'' تلخی کو دباتے ہوئے اس نے اٹھتے ہوئے معذرت کی تو ممی جی نے سر ہلا دیا۔'' کچن کے فرج سے مٹھائی کا ڈبہ نکال کر لیتی جاؤ سلمٰی کے ہاں پوتا ہوا ہے۔'' اس کی ساس نے اپنی بہن کے ہاں خوشخبری کی اطلاع دی''بعد میں لے لوں گی۔ابھی دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے عجلت میں جواب دیتے باہر کی جانب رخ کیا۔''بھابھی کو بیٹے کی خبر ہمیشہ گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتی ہے۔'' نکلتے نکلتے ہما کی آواز اس کے کانوں میں آئی تو احساسات پر ناگواری سی چھا گئی۔

''ہنہ اپنے ہاں اوپر تلے تین بیٹے کیا ہو گئے، ہر بات کہنے کا حق حاصل ہو گیا۔اور مجھ سے جیسے ہر حق چھن گیا۔''

بچوں کے ساتھ پارک آنے جانے میں اسے خاصی تھکان ہو گئی تھی ایئرپورٹ تک کی ڈرائیو اب اسے خاصی دقت طلب لگ رہی تھی۔''کیب کر کے نہیں آ سکتے وزیراعظم دانش صاحب، گھر سے گاڑی لینے جائے ان کو، ممی جی نے بھی کتنی صفائی سے منع کر دیا۔ذرا خیال نہیں ہے میری حالت کا۔'' کلس کر سوچتے ہوئے اس نے بالوں میں برش پھیر کر گاڑی کی چابیاں بیگ سے نکالیں اور کار پورچ تک آ گئی۔

ایئرپورٹ پہنچ کر دو گھنٹہ فلائٹ کے لیٹ ہونے کی اطلاع پر تھکن اور بیزاری نے اس کو اپنے لپیٹ میں لے لیا۔ممی جی کے سیل پر فون کر کے دو گھنٹہ بعد ڈرائیور کی فراہمی کے متعلق پوچھا۔''سوری ملیحہ ڈرائیور تو آج بہت مصروف ہے۔'' بنا کسی تکلف کے اپنی بہو سے یہ الفاظ کہتے ملیحہ کو وہ بے حس لگیں۔پارکنگ میں کھڑی گاڑی کی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے اپنا سر پشت پر ٹکا دیا۔''کیا میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں چار بیٹیوں کی ماں ہوں۔'' نم آنکھوں کے ساتھ وہ بہت ہی آزردہ ہو رہی تھی۔پتہ نہیں اس بار کیا ہو گا..... ہیں بھی جڑواں..... بیٹیاں کہ بیٹے؟''اس نے اپنے پھیلے ہوئے وجود پر ایسے نگاہیں گاڑیں جیسے مستقبل کو آئینہ میں دیکھنا چاہ رہی ہو۔

''اب کے بیٹیاں! اللہ نہ کرے۔''

''بیٹے! اتنی خوش نصیب اور میں!''

''ایک بیٹا اور ایک بیٹی؟ نہیں یہ بھی نہیں۔مزید کوئی بیٹی نہیں۔'' یقین اور بے یقینی کے درمیان وہ اپنے خیالات میں معلق خود ہی سوالات کر کے خود ہی جوابات دے رہی تھی۔سیٹ کی پشت پر ٹکا اس کا سر اردگرد سے گزرتے لوگوں کی نگاہوں میں تجسس پیدا کر رہا تھا۔ ایک آدھے منچلے نوجوان نے شیشہ بھی بجایا مگر اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ بیٹا ہو گا یا بیٹی، مہینوں سے وہ اسی سولی پر لٹکی تھی، مہینوں سے کیا بلکہ شادی کے بعد کے پورے گیارہ سال سے وقتاً فوقتاً۔

وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی، اپنی پہلی بیٹی کی پیدائش سے پہلے اس نے ایک خواب دیکھا تھا۔اس کے اردگرد خوبصورت سی من موہنی سی گڑیاں ہیں۔گلابی گلابی پھولے پھولے گالوں والی، وہ لپک کر ایک اٹھاتی ہے، پھر دوسری، پھر تیسری اور پھر اچانک اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔آنکھ کھلنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر ان سوہنی سوہنی گڑیاؤں کے تصور میں رہی تھی جن کی کٹورا سی چمکتی ہوئی آنکھیں اس کا دل کھینچ رہی تھیں۔اور پھر کتنے شوق سے اس نے ممی جی کو اپنا یہ خواب سنایا تھا۔اس وقت ممی جی اس کا خواب سن کر کتنا ہنسی تھیں۔''خواب بس خواب ہوتے ہیں ملیحہ، ہمارے خاندان میں اتنی گڑیاں کہاں، ہم تو گڈے پالتے ہیں۔'' فخر سے انھوں نے اپنے میاں کی طرف دیکھتے ہوئے تائید چاہی جنھوں نے ہمیشہ کی طرح بیوی کی حمایت میں سر ہلا دیا۔

سیل بجنے کی آواز اس کو خیالات سے واپس لے آئی۔ گھر سے فون تھا۔ صفا کی رونی سی آواز سن کر ملیحہ کا دل سہم گیا۔ ''کیا ہوا؟ بولو صفا کیا ہوا جانو؟ پپا کی فلائٹ لیٹ ہے اس لیے مجھے دیر ہوگئی۔'' وہ صفا کی آواز سنتے ہی اپنی صفائیاں دیتی چلی گئی۔ ''مما سائرہ کو الٹیاں آ رہی ہیں بوا کہہ رہی ہیں اسے ڈاکٹر کو دکھانا ہوگا فوراً دادا اور دادی بھی گھر پر نہیں ہیں۔'' صفا کی بات سن کر اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔ اس نے فوراً ہی ''بس میں فوراً آ رہی ہوں بیٹا'' کہہ کر سیل آف کیا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اس لمحے کو الالپور سے کراچی پہنچنے والی دانش کی فلائٹ لینڈ ہونے میں محض پندرہ منٹ باقی تھے۔ بھاڑ میں جائے ایسی خدمت جو میری بچیوں کو کوئی نقصان پہنچا دے۔ پریشان دل سے اس نے گاڑی کو تیسرا گیئر لگایا۔

گھر پہنچتے ہی ملیحہ نے الٹیوں سے بدحال ہوتی بیٹی کو بانہوں میں اٹھایا اور آیا کو ساتھ لے کر قریبی کلینک کی طرف گاڑی کا رخ کیا۔ خود اس کے اپنے وجود سے درد کی ٹیسیں اٹھنی شروع ہوگئی تھیں۔ کئی گھنٹوں کے ذہنی دباؤ نے اس کی حالت غیر کر دی تھی۔ ڈاکٹر نے سائرہ کو ڈائریا تشخیص کیا تھا۔ حیرت تھی کی سائرہ کو اچانک ڈائریا کیسے ہوگیا۔ سوچنے سمجھنے کا ملیحہ کے پاس وقت نہ تھا اور نہ ذہنی اور جسمانی توانائی۔ ڈاکٹر کے ہاں سے واپسی پر گاڑی چلا کر بخیریت گھر پہنچ جانا معجزہ ہی لگ رہا تھا۔ میڈیکل اسٹور سے دوائیاں خرید کر وہ بالآخر بخیر و عافیت گھر آ ہی گئی۔ ذہن میں چلتے خیالات میں سائرہ کی فکر کے ساتھ دانش کے متوقع تلخ رویہ پر مبنی متوازی خیالات کا دباؤ بھی شدید ترین تھا۔ سائرہ کو دوائی کی خوراک دے کر وہ اس کی نیند میں بند ہوتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اس کا سر سہلا رہی تھی۔ سائرہ کا زرد چہرہ ہر دوسری فکر سے بے نیاز ہونے کا تقاضا کر رہا تھا۔ بیٹی کو سوتا دیکھ کر اس نے رکی رکی سی اطمینان والی سانس لی اور دانش کی عدالت میں حاضر ہونے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے لگی۔

کتنا بے حس باپ ہے، اولاد کی تکلیف بھی اسے ڈھیلا نہیں کرتی۔ آزردگی اس کے رگ و پے میں دوڑنے لگی۔ بے اختیار ملیحہ کو لگا وہ ایک دشت میں سانس لے رہی ہے جہاں چلنے والی تند و تیز ہوائیں دانش کی صورت میں بگولا بن کر اس کو اپنے گھیرے میں لینے کے لئے لپک رہی ہیں۔ بیڈ روم کے دروازے کے قریب کھڑے اس نے کتنے ہی لمحے گزار دیے۔ یکے بعد دیگرے چار بیٹیوں کی پیدائش نے دانش کے رویے کو سرد اور سرد سے تلخ کر دیا تھا۔ اہانت اور تکلیف کا احساس ملیحہ کی کنپٹیوں میں سلگ جاتا لیکن اپنی بیٹیوں کو حتی المقدور اچھا گھریلو ماحول دینے کی شدید خواہش اسے سنبھال لیتی تھی۔ مگر اس وقت دروازے کو دھکیلنے سے پہلے وہ ہوش سے بیگانہ ہوگئی۔ دروازے کے ساتھ نیچے گرتے ہوئے اس نے بند ہوتی آنکھوں سے دانش کا خشمگیں چہرہ دیکھا جو کھلے دروازے سے جھانک رہا تھا۔ ملیحہ کو لگا جیسے وقت قضا آن پہنچا ہے۔ ''میری گڑیاں!'' ''میری گڑیاں!'' الفاظ درد میں ڈھل گئے تھے۔

دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو سب سے پہلے جس چہرے پر نگاہ گئی وہ دانش ہی کا تھا۔ ''یہ دیکھو ملیحہ ہمارا بیٹا'' یہ نرم گرم سا لہجہ؟ کیا یہ میرے لیے؟ اس نے بے اختیار سوچا اور گردن گھما کر ارد گرد دیکھا۔ کتنے ہی لوگ موجود تھے۔ ساس، نند، دیورانی۔ دوسرے دیور کی ہونے والی ساس اور اس کا اپنا میاں۔ سب ہی کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے گویا اس نے کوئی میدان مار لیا ہو۔ ''تو اس بار میری کارکردگی اچھی رہی۔'' مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اپنے شوہر کو دیکھا۔ ''دوسرا بھی دکھائیے'' ملیحہ کی پیاسی نگاہیں ادھر ادھر بھٹکیں۔

''آں! ہاں..... وہ نرسری میں ہے'' اس کی ساس نے والہانہ نظروں سے پوتے کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''گڑیا ہے کہ .....'' جیتی جاگتی لڑکی گڑیا نہیں ہوتی ملیحہ'' دانش کے چبھتے ہوئے لہجے سے اس کے جسم پر کچھ دیر قبل لگے ٹانکوں میں درد پھیلتا چلا گیا اور اس نے آنکھیں موند لیں۔

☆.....☆.....☆

''شاید میرا کچھ عمل بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگیا تھا، یا شاید کوئی مستجاب لمحہ حاصل ہوگیا تھا یا شاید رحمت خداوندی جوش مار گئی تھی یا

شاید..... یا شاید..... الفاظ قطار بنائے ذہن میں ابھرتے چلے جا رہے تھے۔ بالآخر مجھے بھی انعام مل ہی گیا لیکن میری یہ گڑیا بھی تو میرا انعام ہی ہے ورنہ یہ دریہ کو نہ مل جاتی۔ تنہائی کے لمحات پاتے ہی اس نے نعمتوں اور احسانات کی موجودگی کی وجوہات تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی یا شاید اسے ابھی تک پوری طرح یقین نہ آ سکا تھا کہ گیارہ سال سے جس کی غیر موجودگی نے زندگی کو اس کے لیے تیکھا کر دیا تھا وہ آ چکا ہے۔ وہ بیٹے کی ماں بن چکی ہے اور ساتھ ہی ایک اور سندرسی بچی کی بھی۔ یہ دوسرا دن تھا۔ اس وقت وہ کمرے میں اکیلی تھی۔ نرس کچھ دیر پیشتر بچی کو قریب رکھے کاٹ پر لٹا کر گئی تھی۔ ملیحہ نے دوسرے کاٹ پر سوئے اپنے بیٹے پر نظر ڈالی اور بیٹی کو اٹھا کر اپنے بیڈ پر لے آئی۔

گھنی مری ہوئی پلکوں کے ساتھ سرمئی سرمئی آنکھیں کھولتے ہوئے جب اس نے ملیحہ کو دیکھا تو اسے بے اختیار چوم لیا۔ اسے اپنی ماں یاد آ گئی تھیں۔ جن کی بالکل اسی طرح خوبصورت آنکھیں تھیں۔ ملیحہ اکثر کہتی تھی ''امی آپ کی آنکھیں بالکل کرسٹل بال لگتی ہیں۔'' اور وہ ملیحہ کی اس بات پر خوب ہنستی ہوئی اسے اپنے ساتھ لپٹا لیتیں۔ اب محبت کا وہ گھنا شجر کہاں..... ملیحہ کا دل اپنی ماں مرحومہ کی یاد آتے ہی پگھلنے لگا۔ اپنی بیٹی کو سینے سے لگاتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ''نہ جانے ابو جان کو کوئٹہ فون کر کے اطلاع دینے کی زحمت بھی کسی نے کی یا نہیں۔'' ملیحہ نے ڈھیروں پھولوں سے بنے گلدستوں پر نگاہ ڈالی جو اس کے بیڈ کے ساتھ جڑی میز پر ٹکے تھے۔ ازطرف غزالہ اور اطہر۔ ایک ٹیگ پڑھتے ہوئے زخمی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رینگ گئی۔ پانچویں بار وہ اسی ہسپتال آئی تھی۔ تیسری بیٹی ثمرہ کی پیدائش سے اسے پھول ملنا بند ہو چکے تھے۔ ''ملیحہ کتنی گڑیاں دیکھیں تھیں تم نے خواب میں؟'' پہلا جملہ ثمرہ کی پیدائش کے بعد جو اس کے کانوں نے سنا وہ اس کی ساس کا سوال تھا۔ اس کے بعد تو جیسے دانش اور سسرال سے ملے تمام اعزازات و اکرام کٹتے ہی چلے گئے۔ اصل میں تو میکہ ماں کے ہی دم سے ہوتا ہے۔ باپ اور دونوں بھائی کوئٹہ میں تھے۔ کسی کو بھی پتہ نہ چل پاتا کہ ملیحہ کب روتی اور کب ہنستی۔

ثمرہ نام بھی اس نے اس آس پر رکھا شاید کہ محبتیں اس کی اس بیٹی پر برس جائیں۔ مگر وہ خود آئے دن اپنے برسوں پرانے خواب کو یاد کر کے اس میں موجود گڑیوں کی تعداد یاد کرنے کی سعی لا حاصل کرتی۔ جو بڑے چاؤ سے بیاہ کر لائی گئی تھی، وہ بڑی سہولت سے ہر معاملے میں نظر انداز ہونے لگی تھی۔ یہ تو اس کے مضبوط اعصاب تھے جو وہ ان سب رویوں کو سہہ جاتی تھی۔ دانش کا کاروبار کے سلسلے میں آئے دن ملک سے باہر جانا بھی ان حالات میں اسے غنیمت ہی لگتا تھا۔ ''تمھاری قسمت میں بس گڑیوں سے کھیلنا ہی لکھ دیا گیا ہے۔'' ماں کو بیٹیوں سے ہنستا بولتا دیکھ کر نشتر چلانا دانش کے لیے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ بچیوں میں مگن ملیحہ ایسی باتیں سن کر چپ سی ہو جاتی تو دانش کو دل میں ٹھنڈک سی اترتی محسوس ہوتی۔

صفا، ثانیہ کو جملوں کی کاٹ کا احساس ماں کی چمکتی ہوئی آنکھوں کے ایک دم بجھ جانے سے ہوتا تو باپ کے لیے دل میں گرہیں پڑنا شروع ہو جاتیں۔ جب بھی ماں کی آنکھوں کی چمک ماند پڑتی ان گرہوں کا سائز بھی بڑھتا اور مقدار میں بھی اضافہ ہو جاتا..... حالانکہ دانش کا رویہ بیٹیوں سے نسبتاً بہتر تھا۔ یہ ہی وہ چادر تھی جس کی بنا پر ملیحہ اس کے تپتے ہوئے رویوں کو بھی برداشت کر جاتی تھی۔ چاروں مہنگے اداروں میں پڑھتی تھیں، اچھا کھاتی اور خوب پہنتی تھیں بس سراپا شفقت باپ سے محروم تھیں۔

تین دن بعد جب وہ ہسپتال سے گھر لوٹی تو بیٹیوں نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔

''مما اب ہم پانچ بہنیں ہو گئیں اور ایک بھائی'' بڑی صفا نے نئی گڑیا کے نرم روئی کے پھوئے سے ہاتھ چھوتے ہوئے کہا تو ملیحہ کا دل ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔ ''ہاں اب میرے پاس پانچ گڑیاں ہو گئیں اور ایک گڈا ماشا اللہ'' ماں نے چاروں کو اپنی بانہوں میں سمیٹتے ہوئے انکے ماتھے پر بوسہ دیا۔ ''اور یہ تمہارے حصے کا، گلاب!'' ثمرہ نے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو

ہونٹوں سے لگا کر ننھی بہن کے ماتھے سے چھوا اور پھر یہ ہی عمل بھائی کے ساتھ دہرایا۔ ماں بیٹیاں ثمرہ کے گلاب نام دینے پر کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ شکر ہے دانش ارد گرد کے منظر میں موجود نہیں تھے۔ ٹھیک اسی لمحے وہ کمرے میں داخل ہوئے تو سب چپ سے ہو گئے۔

''ہاں بھئی تم لوگوں نے بھائی کے لئے کوئی نام سوچا؟'' بیٹے کو گود میں لیتے ہوئے باپ نے پوچھا تو چاروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ باپ کی یہ خوشدلی انکے ساتھ حیران کن بھی تھی اور خوش کن بھی۔

''ڈیڈی! میکائل'' سب سے پہلے ثمرہ ہی بولی۔ ''نہیں ڈیڈی! صائم'' ''نہیں ڈیڈی! آپ منے بھائی کا نام خوشی رکھ لیں'' آوازوں کے بیچ میں مائرہ معصومیت سے بولی ''خوشی؟'' ''ایسا نام کیوں؟'' دانش نے دلچسپی سے پوچھا ''ڈیڈی آج بہت خوش ہیں نا آپ'' مائرہ نے ماں کی آڑ لیتے ہوئے دھیمی سی آواز میں جواب دیا تو ملیحہ سُن سی ہو گئی۔ ساڑھے تین سالہ بچی کا یہ جواب اس کے محسوسات کا عکاس تھا۔ ''ہاں خوش تو واقعی میں بہت ہوں'' دانش نے بیٹی کو دیکھا اور کمرے سے باہر قدم بڑھا دیئے۔

''نوید'' نام دادی نے بڑے چاؤ سے رکھا اور عقیقہ بھی اسی چاؤ سے کیا گیا۔ بیٹے کے ساتھ آئی جڑواں بیٹی کسی گنتی میں شمار ہی نہ ہو رہی تھی۔ ملیحہ کو بیٹی بوا کے پاس چھوڑ کر عقیقہ کی تقریب میں شرکت کا حکم سنا دیا گیا تھا جس سے سرتابی کی مجال نہ تھی۔ کتنے لوگوں کو تو معلوم ہی نہ تھا کہ عقیقہ کی جس دعوت میں وہ شریک ہیں اسکے مہمان خصوصی دو بچوں کو ہونا چاہیے تھا ''نوید دانش اور گلاب دانش''۔

بھلا ہو اشتہار بازی کی صنعت کا۔ عقیقہ کے کارڈ سے لے کر سوفٹ ڈرنک کی اسٹرا تک پر نعمت خداوندی کا اظہار کرنے کے لئے وسائل بے دریغ خرچ کئے گئے تھے۔

جگمگاتے قمقموں کی ایک لٹکتی جھالر کو تکتے ہوئے ملیحہ کا دل عجیب بے کلی کا شکار تھا۔ اسکے اپنے جگر کا ایک ٹکڑا، ان سب رونقوں سے دور ملازموں کی گود میں تھا، جیسے جھالر کا ایک بجھا ہوا قمقمہ۔

''ارے ملیحہ! آپ یہاں ہیں، میں کتنی دیر سے آپ کی تلاش میں تھی۔ بھئی بہت بہت مبارک ہو۔ ماشاء اللہ بہت خوبصورت بچہ ہے۔ آخر اللہ نے کرم کر ہی دیا''۔ اسکا دل اپنی بیٹی کی یاد میں گم تھا جب کسی صاحبہ نے لان کے ایک سنسان گوشے میں اسے کھڑا دیکھ لیا۔ لوگوں کے سوال جواب سے بچنے کے لئے وہ بظاہر اپنا بیگ کھولے سوچوں میں گم چیزیں الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ سسرال کے لوگ اس قدر زور آور تھے کہ کسی کو ملیحہ کے منظر سے غائب ہونے کا اتنی جلدی پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ یہ خاتون نہ جانے کون تھیں جنہوں نے اس کو ڈھونڈ نکالا تھا۔

''لگتا ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں آپ کی ساس کی سہیلی بیگم نجم الحق کی بہن ہوں''۔ ملیحہ کی سپاٹ نگاہیں دیکھ کر اپنا تعارف کرانا انہوں نے ضروری خیال کیا۔ ''میں نے سنا تھا کہ آپ کے ہاں جڑواں بچے ہوئے ہیں۔ بیٹا اور بیٹی لیکن آپ کی بیٹی تو کہیں نظر نہیں آ رہی۔ کیا کسی کو دے دی ہے؟''

ان کی بات کا آخری ٹکڑا سن کر ملیحہ کے چہرے پر لمحہ بھر کو سایہ سا لرز گیا جوان خاتون نے محسوس کر لیا ''میری بیٹی ہماری بوا کے ساتھ ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں ہوگا'' وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

''آیئے کھانا کھایئے'' اس نے سامنے ویٹرز کو قابوں کے ڈھکن اٹھاتے دیکھ کر قدم بڑھا دیئے۔

☆.....☆.....☆

''لگتا ہے ارمان ہے تمہاری بیوی کو پانچ بیٹیوں کی ماں کہلانے کا۔ میں چاہتی ہوں کہ لوگوں میں تمہارے ہاں مزید ایک اور بیٹی ہونے کی اطلاع نہ پھیلے مگر شوق ہے بہت انکو گڑیائیں جمع کرنے کا۔ کیا ضرورت تھی بیگم حق کی بہو کو بیٹی کا بتانے کی!''

تقریب کے آخر میں اس نے اپنی ساس کا دانش سے شکوہ سنا جو خاصا تکلیف دہ تھا اور اس سے زیادہ ارد گرد بیٹھے عزیزوں کے تاثرات کاٹ دار تھے۔ کچھ میں طنز تھا، کچھ میں تمسخر اور کچھ واضح مسکراہٹ کے ساتھ اس تبصرے میں شریک تھے۔

''میں تو بیٹے کی ماں ہو کر بھی معتبر نہ بن سکی، یہ کیسا انعام الرحمٰن ہے''

دل سے ابھرتی سسکی کو اس نے چہرے پر کوشش سے لائی بے نیازی تلے چھپالیا۔ یہ ہی ملیحہ کا کمال تھا جس کی بنا پر وہ مہذب اور ماڈرن نظر آتے بوسیدہ سوچوں والے لوگوں کے درمیان باہوش وحواس جی رہی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نوید کے لئے باپ اور دادی کے لاڈ پیار میں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا جبکہ گلاب کے لئے کوئی گلاب لمحہ بھی انکے پاس نہ تھا۔ ''دولڑکے ہی ہوجاتے تو کیا بات تھی!'' دادی آہ بھر کر کہتیں۔ مزید کچھ سننے سے بچنے کے لئے وہ ان کے قریب سے ہی ہٹ جاتی۔ بیٹوں کی بڑھتی ہوئی گنتی انسان کو غرور دیتی ہے تو یہ ہی گنتی اگر بیٹیوں میں بڑھ جائے تو انسان کو بازو ڈھیلے ہوتے محسوس ہونے لگتے ہیں۔

گلاب اور نوید تین ماہ کے تھے کہ ساس سسر اپنے دونوں چھوٹے بیٹوں کے ساتھ کینیڈا منتقل ہوگئے۔ دانش کے اپنی فیملی کے لئے داخل کرائے کاغذات کی اطلاع تاحال موصول نہیں ہوئی تھی۔ ملیحہ نے یہ فرض کرلیا تھا کہ کسی نہ کسی اعتراض کے ساتھ جلد یا بدیر کاغذات واپس آجائینگے، انہی سوچوں کے تحت اس نے اپنے آپ کو اس پنچھی کی طرح محسوس کیا جس کو لمبے عرصے بعد فضاؤں میں پر پھیلا کر اڑنے کا موقع ملا ہو۔ اردگرد کوئی نہیں جو اس کو اولاد کی جنس کے ترازو میں تول کر اسکے مول لگاتا ہو۔ اس نے اپنے بچوں کو چومتے ہوئے تاحد نگاہ پھیلے نیلے آسمان کو گھر کے لان سے دیکھا جہاں ڈھلتی شام کو پرندے قطار در قطار جاتے نظر آرہے تھے۔ اجلے بادلوں کے ٹکڑے ادھر ادھر تیرتے ہوئے آسمان میں پھیلے نیلے اور گلابی شیڈز کے ساتھ ایک دلکش منظر بنا رہے تھے۔ اس لمحے وہ سب کچھ بھول کر اڑان کی کیفیت محسوس کررہی تھی۔

ملیحہ کی خواہش کے برخلاف صرف دو ماہ بعد دانش کو بھی کینیڈا کے لئے پروانہ منتقلی مل گیا۔ ملیحہ نے یہ خبر سنی اور کوئی تاثر نہیں دیا جبکہ بچیاں بے حد خوش تھیں۔ ملک چھوڑنے کی خبر انکے لئے اپنے ساتھیوں کے درمیان فخر بڑھانے کا موجب تھی۔ دانش نے کاغذات کی حسب منشا واپسی کو اپنے بیٹے کی خوش نصیبی سے تعبیر کیا تھا۔ گو جس وقت اپلائی کیا گیا تھا اس وقت کاغذات میں صرف چار بچوں کا اندراج تھا۔ بعد کی خصوصی درخواست پر نیا اضافہ کیا گیا تھا۔

''گلاب تو ان کاغذات میں شامل ہی نہیں ہے'' سنسناتے سے احساس کے ساتھ امیگریشن کاغذات پر نگاہ ڈالتے ہوئے ملیحہ نے شوہر کو دیکھا۔ ''ہاں کاغذات کے ساتھ دوبارہ درخواست دینی پڑے گی'' بے فکر لہجے میں مختصر سا جواب دے کر دانش نے ماؤتھ فریشنر کا اسپرے کیا تو بھی اس کے لہجے کی بساند ملیحہ کو محسوس ہوگئی۔ دانش کی سوچ کا اندازہ کرتے ہی وہ لرز سی گئی جو سامنے کاٹ پر جھکا بیٹے کو والہانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''بیٹی بھی آپ کا ہی خون ہے اس کے ساتھ آپ اتنے ظالم کیسے بن جاتے ہیں'' مامتا تڑپ اٹھی۔

''مجھے اپنے بیٹے کے ساتھ کسی کی شراکت داری نہیں پسند۔ تمہاری بیٹیوں کو جو حاصل ہے وہی بہت ہے''۔

''کیا یہ واقعی گلاب کا باپ ہے؟'' اسے جیسے شبہ سا ہی لگا۔ اتنا تنفر! بے شک چاروں بڑی بیٹیوں کے ساتھ بھی چاہت کے رنگ نہ تھے مگر کبھی کبھار کچھ ابران پر بھی ہوجاتا تھا۔ یہ میری گلاب کیسی حرماں نصیب ہے؟ وہ سوچتی گئی۔ کاغذات میں گلاب کی غیر موجودگی اسے سہار رہی تھی، تو کیا۔ تو کیا..... وہ سوچنا نہیں چاہ رہی تھی مگر سوچیں عین نشانے پر لگے تیروں کی طرح اس تک آرہی تھیں۔ ابھی کچھ دنوں پہلے تو اس نے سکون کی سانس لینا شروع کی تھی، سائے گھٹتے محسوس کئے تھے مگر امیگریشن کے کاغذات اور دانش کے انداز دیکھ کر قرار پانی کی طرح بہتا چلا گیا۔ سوتی ہوئی گلاب نے بھی شاید ماں کی بے کلی محسوس کرلی تھی، اس نے کسمسانا شروع کردیا۔ بیٹی کو تھپک کر وہ پھر سے سوچوں میں گم ہوگئی۔

اس کے بعد سے ہر آنے والے دن وہ دانش کو کاغذات کی غلطی یاد دلانا نہ بھولتی۔ ہر روز اسے لگتا جیسے وہ کانٹوں پر برہنہ پا ہے۔ اسے لگتا اسکا شوہر اس کی یہ بات سنتے وقت بہرا ہوجاتا ہے، نہ کوئی تاثر اس کے چہرے پر آتا نہ جواب ہونٹوں سے نکلتا۔ ہاں پردیس

منتقلی کی تیاریاں واضح تھیں۔ملیحہ ہرطرح کی محاذ آرائی سے حتی الامکان بچنا چاہتی تھی۔محاذ آرائی میں نقصان صرف اس کے بچوں اوراس کے حصے میں آنا ہے، وہ یہ بات بخوبی جانتی تھی۔دانش نے ابھی تک گلاب کو کاغذات میں درج نہ کرایا تھا۔گزشتہ رات ہی گلاب کی بات کرنے پر اس نے میاں کے خاصے جارحانہ تیور دیکھ لئے تھے۔اب صبح ہی سے گھر کے قالین، جھاڑ فانوس اورفرنیچر جو گھر کے مختلف حصوں میں رکھا، گھر کو آراستہ کیے ہوئے تھا، دانش ان کی حفاظت ونگرانی اور گھر کو بند کرنے کے حوالے سے ملازموں کو ہدایات دے رہا تھا۔اس کا مطلب ہے فیصلہ ہو چکا ہے! ملیحہ ایک کونے میں جا کرسسک پڑی، اسے لگ رہا تھا کہ شاید وہ زندہ ہی نہیں رہ پائے گی۔''بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ دانش بیٹی کو پاکستان چھوڑ جائے، کہاں؟ کس کے پاس؟'' اسکا دل بند ہونے لگا بڑی بیٹیاں اسکول میں تھیں۔نوکر گھر کے ساتھ ادھر ادھر مصروف، دانش انکو ہدایتیں دے کر جا چکا تھا۔وہ فرش پر بیٹھی گلاب کے کاٹ پر سر ٹکائے بے سدھ ہو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

دھڑ سے دروازہ کھلا، آنے والے نے ادھر ادھر دیکھ کر کسی کو تلاش کیا اور پھر اس کی چیخ وپکار سے گھر کے نوکر اکھٹے ہو گئے۔ملیحہ کے نیم بے ہوش وجود کو بستر پر لٹاتے ہوئے اس نے نوکروں کو مختلف ہدایتیں دیں اور خود قریبی کرسی پر ٹکتے ہوئے ملیحہ کے ماتے پر ہاتھ رکھ کر مسنون دعاؤں کا ورد کر کے اس پر پھونک دیا۔

کچھ دیر بعد ملیحہ نے جب آنکھیں کھولیں تو اس کے قریب موجود فکرمند چہرہ کھل اٹھا۔

''شکر ہے ملائی تم زندہ ہو!''اس ہمدرد نے نرمی سے اسکا ہاتھ تھاما''دریہّ !دُری!'' دھیرے سے کہتے ہوئے ملیحہ کی ویران آنکھوں میں جوت کوندی تھی جس میں محبت اور شناسائی کے رنگ واضح تھے۔ دروازے کے باہر سے بچوں کے رونے کی مدھم سی آوازیں ابھر رہی تھیں۔اس کی بے چین نظروں نے اس طرف دیکھا۔

''میرے بچے! میری بیٹی!'' تڑپ جیسے لہجے میں رچی تھی۔

''دریہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اپنی دوست کو دیکھا جس سے ملاقات کرنے وہ شہر کے دوسرے سرے سے آئی تھی اور پھر بنا توقف کئے گلاب کو لا کر اس کی گود میں دے دیا۔'' ملائی یہ تو بالکل ویسی گڑیا ہے نا جیسی تم نے خواب میں دیکھی تھی.....مڑی ہوئی لمبی لمبی پلکیں اور چمکتی ہوئی گول گول گرے آنکھیں.....

''سچ مجھے تو اسے دیکھتے ہی محبت ہو گئی۔'' دریہ نے والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے ملیحہ کی گود سے بچی کو اٹھالیا۔

''تم نے دیکھا ملائی ہمیشہ کی طرح کیسے میں تمہاری پریشانی بنا تمہارے بتائے جان گئی اور یہاں موجود ہوں لیکن یہ نہیں پتہ کہ تمہاری پریشانی ہے کیا''۔

دریہ نے گلاب کو چومتے ہوئے اتنی بے چارگی سے ملیحہ کو دیکھا کہ مسکراہٹ کی باریک سی لکیر اس کے چہرے پر نمودار ہوئی لیکن فوراً ہی معدوم ہو گئی۔

''میں وہ بدنصیب ماں ہوں دریہ! جس کو اپنے بچوں کی حفاظت کرنا بھی نہیں آتی''ملیحہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا ''دانش کہتا ہے کہ میرے خواب میں موجود گڑیاؤں کی آمد کا سلسلہ چلتا ہی رہے گا جب تک کہ ہم بیٹے کے ساتھ ہونے والی اس بیٹی کو اپنے خاندان سے کاٹ کر نہ رکھ دیں''۔ملیحہ کی گھٹی گھٹی آواز کے ساتھ آنسو انگلیوں کے درمیان سے بہہ رہے تھے۔دریہ اس کے الفاظ سن کر سکتے میں آ گئی تھی''اتنی سفا کی! اتنی جہالت۔''''مجھے لڑکیوں کی آمد کا سلسلہ جو کہ میری نحوست ہے، میرے خواب کی وجہ ہے، ختم کرنے کے لئے اپنی بیٹیوں سمیت اس کی زندگی سے نکلنا ہوگا یا پھر اس بچی کو اتنا .....دور بھیجنا ہوگا کہ اس کا سایہ بھی نہ پڑے''

ملیحہ کی سسکیاں کمرے میں چکرا رہی تھیں گلاب نے بھی رونا شروع کر دیا تھا۔''میں کیسی ماں ہوں! میں کیسی ماں ہوں!'' ریزہ ریزہ ہوتے وجود کے ساتھ وہ بلک رہی تھی۔شاید سیلاب بھی اسی طرح آتا ہوگا جیسے ملیحہ کے آنسو آنکھوں کے کناروں سے نکلے چلے آرہے تھے اور شاید دل سے خون بہنا بھی شروع ہو جاتا ہوگا اور پھر

دل بند ہی ہو جاتا ہوگا۔ دریہ ساکت سی بیٹھی تھی۔ گلاب کے رونے کی لے اور بھی بلند ہوگئی۔ لگتا تھا کہ پورے کمرے میں آنسو ہی آنسو بھرے ہیں ..... ملیحہ کے آنسو، گلاب کے آنسو، دریہ کے آنسو، دیواروں کے آنسو، خلا کے آنسو..... دریہ ایکدم روتی ہوئی گلاب کو اٹھا کر سینے سے لگاتی کھڑی ہوگئی۔ اس کی بچوں سے محروم زندگی میں جیسے ستارے سے اتر آئے۔

☆.....☆.....☆

آرام دہ گاڑی میں ایک طویل سفر کے بعد اپنے گھر پہنچ کر دریہ نے ڈرائیور کو واپس جانے کا اشارہ کیا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے بلڈنگ کے زنگ خوردہ گیٹ سے اندر کھڑی موٹر سائیکل پر نگاہ ڈالی۔ اسکا گریڈ سولہ کا سرکاری ملازم میاں آنکھیں موندے بستر پر لیٹا تھا۔ عام سے گھر کا عام سا رہن سہن اور عام سے میاں بیوی۔ نہ کوئی چمکتا دمکتا عالیشان گھر نہ لش لش کرتے ملبوسات نہ منفرد انداز زندگی اور نہ شاندار سی گاڑی۔ کوئی بھی تو موازنہ نہیں تھا ملیحہ اور دریہ کی اوقات کا۔ کیا ملیحہ کے گھر اُگا گلاب یہاں تروتازہ رہ سکتا ہے؟ دریہ کو بچی کے پاس سے اٹھنے والی بی بی کلون کی نفیس سی خوشبو یاد آ گئی، کمرے کی وہ ٹھنڈک جہاں تپتے ہوئے موسم کے اثرات کا شائبہ تک نہ تھا، کاٹ میں لگے وہ قیمتی اور عمدہ کھلونے .....کیا وہ یہاں کے لئے پیدا کی گئی تھی؟ میرے رب! کیا ملیحہ اور دانش کی اولاد میرے لئے پیدا کی گئی ہے؟ دریہ دو متوازی سوچوں میں گھری اس آنے والے وقت کا اندازہ لگانے کی کوشش میں تھی جب گلاب کو ''دانش کدہ'' سے وہ اپنے گھر لے کر آئے گی۔

''بس دُری ایکتیرا گھر ہیجہاں میرا جگر گوشہ محبتوں اور قدر دانی کے ساتھ رہ سکتا ہے''۔

ملیحہ کی کانپتی آواز اس کے ذہن میں گونجی تو اس نے اپنی کھڑکی سے نظر آتے آسمان کو دیکھا۔ اسے لگا جیسے بادلوں کے درمیان گلاب کی ننھی منی گلابی ہتھیلی پھیلی ہو۔

'' ڈیڈی میں رحمت ہوں! ایسا نہ کرو ڈیڈی! پلیز ڈیڈی!''

چھوٹی سی نرم سی آواز فریاد بن کر جیسے فضا میں پھیل رہی تھی۔ نہ جانے کیوں سڑک کے اس پار سامنے نظر آتے شخص نے کھودے گئے گڑھے کی بھرائی کا عمل تیز اور پھر تیز تر کر دیا۔ دریہ نے اس شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ پھاوڑے کے ساتھ تیزی سے مصروف تھے۔ فریاد ایک بار پھر بلند ہوئی۔

''ڈیڈی! رحمت سے منہ نہیں موڑتے ورنہ نعمت سے محروم ہو جاتے ہیں''۔

مشعل پروین

ساتھ ساتھ

وہ ایک بڑی خوبصورت شام تھی۔ آسمان پر کوئی بادل کا ٹکڑا نہ تھا لیکن ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آنے والے لمحوں کی نوید سنا رہی تھیں۔

میں اپنے گھر کے صحن میں پرانے سفیدے کے درخت کے نیچے کرسی ڈال کر لطف اندوز ہو رہی تھی۔ سامنے کیاری میں لگے موتیے کی بھینی بھینی خوشبو ماحول کو مزید مسحور کر رہی تھی کہ اچانک میری پڑوسن صاحبہ آسمان پر گھٹا کی طرح نمودار ہو گئیں اور پھر ہمیشہ کی طرح بے تکی باتوں سے نوازنے لگیں۔ ان کو شاید میرے علاوہ کوئی اور بے تکی باتیں سننے والا نہیں ملتا تھا۔ میں ان کی شکل دیکھ کر ہی پریشان ہو گئی کیونکہ سلیم دفتر سے لوٹنے والے ہی تھے اور مجھے پڑوسن کے بجائے ان کا شدید انتظار تھا۔ سلیم ہمیشہ ان پڑوسن سے بہت خائف رہتے تھے کیونکہ اکثر ان صاحبہ ہی کی وجہ سے ہمارے درمیان اَن بن ہو جاتی تھی۔ میں پڑوسن کے جانے کے بعد ان کی باتوں کو سلیم کے آگے دہرا دیتی تھی مثلاً ''سلیم، وہ کہہ رہی تھی کہ آج تمہارے میاں نے کونسی پرانے زمانے کی شرٹ پہن لی تھی۔ یا سڑک پر ایک باولی سی خاتون جا رہی تھیں یقین مانو وہ سلیم کی بڑی بہن سے ملتی ہوئی لگ رہی تھیں''۔ جب سلیم سے میں یہ باتیں دہراتی تو وہ غصے میں آپے سے باہر ہو جاتے اور پھر کئی کئی دن تک ماحول میں تلخی رہتی۔

میں ہمیشہ یہ سوچتی کہ جب سلیم کو ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں تو میں کیوں انکے سامنے پڑوسن کی ایسی باتوں کو دہراتی ہوں۔ لیکن اسکا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا کیوں کہ میں اپنے طور پر یہ سمجھتی تھی کہ یہ کوئی ایسی باتیں نہیں جن پر ناراض ہوا جائے میں بھی تو تحمل سے سنتی ہوں سلیم کو بھی سن لینا چاہیے۔ لیکن یہ میرا اپنا عذر تھا، سلیم ہمیشہ مجھے انکے ساتھ بیٹھنے سے منع کرتے تھے۔ دوسروں کے گھروں کی ٹو لینا اور پھر جھنڈے پر چڑھانا انہیں سخت ناپسند تھا۔

آج تو پڑوسن صاحبہ سعیدہ بھابی کے داماد کے آنے جانے کی روداد بڑی تفصیل سے سنانے کے موڈ میں تھیں۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہی تھی کہ بس اب میری شامت آنے ہی والی ہے اور واقعی سلیم کے جوتوں کی چاپ نے مجھے خبردار کر دیا دروازے سے ہی انہوں نے زوردار سلام کیا اور آواز لگائی ''سعیدہ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ آج نعیم بھائی کے یہاں شام گزاریں گے'' یہ کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اب میں بار بار پڑوسن صاحبہ کو اشارے دے رہی ہوں کہ میرے میاں آ چکے ہیں لیکن وہ تو نہ جانے کتنے قصوں کی پوٹلیاں کھولنے کا تہیہ کر کے آئی تھیں۔ یکے بعد دیگرے انکے قصوں کی روداد سن کر میں تھک چکی تھی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہو رہی تھیں۔ بالآخر میں نے کھڑے ہوتے ہوئے معذرت چاہی ''سلیم آ گئے ہیں وہ کپڑے مانگ رہے ہیں۔ مجھے ان کو کپڑے دینا ہے'' وہ صاحبہ ایک دم مڑیں ''ہاں ہاں بھئی جاؤ مجھے بھی کوئی ضرورت نہیں کہ زبردستی حالات سے باخبر کروں'' اور پھر یہ جا اور وہ جا۔

میں بھی سلیم کی آواز پر دوڑی دیکھا تو سلیم تولیہ لئے کھڑے ہیں اور چہرہ غصے میں لال پیلا ہے ''کتنی ہی بار سمجھایا ہے کہ ان خاتون کے ساتھ وقت ضائع نہ کیا کرو یہ افواہیں پھیلاتی ہیں''۔

''تو کیا کروں کیا زبردستی گھر سے نکال دیا کروں اور ہاں آج آپ خوش ہو جائیں آج کچھ ایسا ہی ہو گیا''۔

میں نے جھلا کر جواب دیا پھر جلدی جلدی الماری سے کپڑے نکالنے لگی اور استری کر کے سلیم کی طرف بڑھا دیئے۔ سلیم بھی بات کو بڑھانے کے موڈ میں نہ تھے جلدی سے شلوار قمیض میرے ہاتھوں سے

لے کر غسل خانے میں جا چکے تھے۔سلیم کے تیار ہوتے ہوتے میں نے بھی ساڑھی پہن لی ، ساڑھی کی میچنگ کی جب چپل نکالنے کے لئے الماری کھولی تو چپل غائب۔شاید سیما پہن کر چلی گئی آج اس کو بھی اپنی دوستوں کی پارٹی میں جانا تھا ۔ پرانی اسکول کے زمانے کی سہیلیاں اکٹھی ہو رہی تھیں۔ ہمیشہ اس کو سمجھاتی رہتی ہوں کہ میری چیز مجھے بتا کر استعمال کرے لیکن نہ جانے کیوں وہ اکثر بغیر بتائے استعمال کر لیتیں ہے اور آج بھی یہی ہوا۔

ویسے ہی موڈ خراب ہو گیا تھا، عین وقت پر میچنگ کی چپل نہ ملنے پر میرا پارہ ایک دم چڑھ گیا، اول فول بکنے لگی، سلیم تیار ہو کر نکلے تو میری حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے'' کیا ہو گیا ہے آخر''

''میں نے ہزار بار سیما کو سمجھایا ہے کہ جب کوئی چیز لینی ہو تو مجھے بتا دیا کرو۔ اگر وہ میری سینڈل بتا کر پہن کر جاتی تو میں کوئی اور ساڑھی اس وقت پہن لیتی ۔اب جب میں ساڑھی باندھ کر تیار ہو گئی اور سینڈل پہننے آئی تو پتا چلا کہ غائب ہے اب سیما کے سوا اور کون پہن سکتا ہے''۔میں نے سیما کو اچھی خاصی بے نقط سنا دیں۔

'' ارے یار چھوڑ کون تمہاری میچنگ دیکھے گا وہ تو ویسے بھی بہت سادہ لوگ ہیں تم اس وقت کوئی اور چپل پہن لو'' سلیم نے آہستگی سے جواب دیا۔

''ہاں ہاں آپ کی بیٹی کے سامنے میری کیا حیثیت آپ نے اس کو سر چڑھا دیا ہے'' میں نے انتہائی تیکھے الفاظ میں سلیم کو جواب دیا۔

سلیم میرے غصے کو دیکھتے ہوئے آئینے کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور برش کرنے لگے۔ برش کر کے جب پلٹے تو میں دوسری چپل پہن چکی تھی۔سلیم کی نظر میرے پاؤں پر پڑی۔

''واہ کیا میچنگ کی ہے ،غضب کی چپل ہے اور تمہارے پاؤں پر بہت سج رہی ہے یار تم ایسے ہی پریشان ہو جاتی ہو تمہارے پاؤں پر تو ہر چپل اچھی لگتی ہے''، سلیم نے والہانہ انداز سے کہا۔

سلیم کے اس انداز نے میرے غصے کو رفع دفع کر دیا اور پھر میں نے جلدی جلدی بال سیٹ کئے ہلکی سی لپ اسٹک لگائی اور ریڈی ہو گئی۔سلیم انتظار میں کھڑے تھے مجھے اس طرح جلدی جلدی تیار ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

''یار میرے دوست ہر وقت اپنی بیویوں کی شکایت کرتے رہتے ہیں کہ دو گھنٹے پہلے بتاؤ جانے کے لئے تو چار گھنٹے بعد تیار ہوتی ہیں لیکن اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے مجھے اللہ نے کتنی اچھی بیوی دی ہے بس آدھے گھنٹے میں ریڈی ہو گئی۔اب تم ایسا کرنا میرے دوستوں کی بیویوں کی ایک کلاس لینا اور کچھ گُر انکو بھی سکھا دینا''۔

''اچھا بس اب زیادہ باتیں نہ بنائیں اور چلیں دیر ہو گئی ہے'' میں نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

سلیم نے ریک کے اوپر سے گاڑی کی جابی اٹھائی اور باہر کی طرف چل دیئے ۔گاڑی میں بیٹھتے ہی انہوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔''کیا ہو گیا ہے کس پر قہقہہ لگا رہے ہیں؟''

''ارے سامنے تو دیکھو'' سلیم نے اشارہ کیا۔میں نے سامنے کی طرف بڑے غور سے دیکھا'' مجھے تو کچھ نظر نہیں آ رہا ہے'' میں نے تعجب سے کہا۔

''ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو اسکوٹر پر وہ صاحب اپنی بیگم صاحبہ اور پانچ بچوں کو سوار کر چکے ہیں اور اڑن طشتری روانہ ہونے والی ہے ، ایسا کرتے ہیں کہ ہم اپنی گاڑی انکو دے دیتے ہیں اور ہم دونوں اسکوٹر پر چلتے ہیں بڑی رومینٹک سواری ہے'' سلیم یہ کہتے ہوئے گاڑی سے اترنے لگے۔

''ارے نہیں، یہ کیا کر رہے ہیں میں اسکوٹر پر نہیں بیٹھ سکتی گر جاؤنگی''۔

سلیم نے ہنستے ہوئے دوبارہ گاڑی کی چابی گھمائی ''چلو اسکوٹر پر نہیں بیٹھ سکتی ہو تو خدا کا شکر ادا کرو کہ اللہ نے ہمیں گاڑی دے دی ہے''۔سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سلیم نے کئی دفعہ گاڑی کی چابی اسٹارٹ کے لئے گھمائی لیکن وہ پھڑ پھڑا کر بند ہو جاتی۔

''آج ہی گاڑی کو خراب ہونا تھا نہ جانے کیا ہو گیا'' سلیم نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''میرے چہرے پر پھر بارہ بجنے لگے۔ میں نے کتنی بار کہا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد گاڑی کی سروس کروا لیا کریں لیکن آپ کو دفتر کے کام سے فراغت ہو تو کروائیں'' میں نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی سروس کا ہی یہ کمال ہے۔ پرسوں سروس کروائی تھی اس سے پہلے تو اچھی خاصی چل رہی تھی۔ چلو کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے آج بس کے مزے لیتے ہیں۔ یقیناً تم بھی کالج کے زمانے کے بعد سے بس پر نہیں بیٹھی ہو اور مجھے بھی بس میں بیٹھے بہت دن ہو گئے ہیں''۔

سلیم کے یہ خطرناک ارادے دیکھ کر میں تو ڈر گئی ''نہیں چھوڑیں آج نہیں پھر کسی دن چلیں گے شاید اللہ کی بہتری اسی میں ہے'' میں نے بڑی رسانیت سے کہا۔

''اچھا اب اللہ کی بہتری نظر آ رہی ہے ورنہ تم اتنی آسانی سے ہتھیار ڈالنے والی نہ تھیں'' سلیم نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

''چلئے اچھا ایک بار ٹرائی کر لیجئے'' میں نے کہا اور واقعی سلیم کے چابی گھمانے سے گاڑی اسٹارٹ ہو گئی اور چل پڑی۔ سلیم کے منہ سے ایک دم قہقہوں کا فوارہ پھوٹ نکلا۔

''اگر تمہارے مشوروں پر عمل کر لیا کروں تو ہر کام صحیح ہو جائے لیکن میری شیطانیت اڑی لگانے پر مجھے مجبور کر دیتی ہے۔ دیکھو تم اچھے اچھے مشورہ دیتی رہا کرو میں مانوں یا نہ مانوں'' سلیم نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

میں سلیم کی ساری چال سمجھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں ہم نعیم بھائی کے یہاں پہنچ گئے۔ سلیم نے شاید نعیم بھائی کو میسیج کر دیا تھا۔ وہ اپنے گھر کے باہر ٹہل رہے تھے، جیسے ہی ہماری گاڑی رکی وہ والہانہ انداز میں سلیم سے گلے ملے اور ساتھ ساتھ مجھے سلام کیا۔ سلیم کا ہاتھ پکڑتے ہوئے وہ ہم دونوں کو اندر لے گئے سلیم ڈرائنگ روم میں رُک گئے اور میں اندر چلی گئی بھابی ناہید بھی اسی والہانہ انداز سے مجھے ملیں ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بہت دنوں سے میرے انتظار میں تھیں۔ باتوں باتوں میں کتنی ہی بار اپنی والہانہ محبت کا اظہار کیا اور جب بھی وہ اس قسم کا اظہار کرتیں اندر سے مجھے ایک روحانی خوشی ملتی۔ تھوڑی دیر بعد وہ تمام تلخی مٹ گئی جو گاڑی کے اسٹارٹ نہ ہونے سے پیدا ہو گئی تھی۔

نعیم بھائی کی چھوٹی سی پیاری سی بیٹی بار بار میرے ہاتھوں پر محبت سے ہاتھ پھیر کر بھاگ جاتی۔ جیسے ہی میں اسے گود میں لینے کے لئے بڑھتی وہ بھاگ کر دور چلی جاتی مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بھی مجھ سے خوشی کا اظہار کر رہی ہے۔ بھابی ناہید نے بہت اچھے سموسوں اور تازہ جلیبیوں سے ہماری خاطر کی بہت ہی اصرار سے انہوں نے مجھے دو سموسے کھلا دیئے اور جلیبی کے لئے الگ اتنے پیار سے بار بار کہا کہ میں نے کھالی۔ کھانے کے بعد لگا کہ پیٹ بالکل فل ہو گیا ہے، اب گھر جا کر کھانے کی گنجائش نہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد سلیم کا پیغام آ گیا کہ چلو سیما گھر آ چکی ہے اور انتظار کر رہی ہے نعیم بھائی اور ان کی بیگم نے ہمیں خدا حافظ کہا۔ میرا دل چاہا کہ میں بھی اسی تپاک سے انہیں اپنے گھر آنے کا کہوں لیکن ایسا نہ ہو سکا واپسی پر ناہید بھابی نے ایک قیمتی خوشبو بھی میرے پرس میں ڈال دی میں نے انہیں روکا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر کہ رسولؐ اللہ کو خوشبو بہت پسند تھی، مجھے خاموش کرا دیا۔ راستے بھر سلیم نعیم بھائی کے ہاں کھائے ہوئے سموسوں اور جلیبیوں کی تعریف کرتے رہے۔ میں نے کہا'' مجھے تو ناہید بھابی کے خلوص اور محبت نے دو سموسے کھانے پر مجبور کر دیا'' سلیم ایک دم قہقہہ لگا کر بولے ''بس دو! بھئی میں تو باتوں باتوں میں چار سموسے کھا گیا اور اس کے ساتھ خوب ساری چٹنی۔''

گھر پہنچتے ہی میں نے سیما کی خبر لینی شروع کر دی۔

''میں نے تم سے ہزار بار کہا ہے میری چیزیں بغیر پوچھے مت استعمال کیا کرو وہ چپل میری ساڑھی کی میچنگ کی تھی تم کیوں پہن کر چلی گئیں''۔

سیما میری سرزنش پر حیران تھی ''امی آپ نے خود ہی تو وہ سینڈل اسٹور میں یہ کہہ کر ڈال دی تھی کہ آئندہ میں یہ سینڈل نہیں پہنوں گی پیر کو بہت تکلیف دیتی ہے'' سیما نے مجھے آہستہ سے یاد دلایا اور واقعی پچھلی بار جب میں اپنی بہن کے یہاں گئی تھی تو اس نے میرے پاؤں کو چھیل کر رکھ دیا تھا اور میں نے آتے ہی غصے میں اسٹور میں ڈال دی تھی۔

ایک دم جیسے میرے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا ہو ایک چھوٹی سی بات کو میں نے اتنا بڑھایا اور شرمندگی میرے ہی حصے میں آئی نہ جانے کیا ہو جاتا ہے مجھے ذرا ذرا سی بات پر میرا دماغ گھوم جاتا ہے اور میری زبان سے وہ باتیں نکل جاتی ہیں جو دوسروں کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ میں سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ آخر کیا علاج کروں!

اتنی دیر میں سیما نے آواز لگائی ''امی میز پر کھانا لگا دیا بہت بھوک لگ رہی ہے جلدی آجایئے''۔

ادھر سے سلیم نے جواب میں آنے کا کہا میں بولی ''سلیم چار سموسے اور اتنی ساری جلیبیاں کھانے کے بعد کس پیٹ میں کھائیں'' سلیم نے میرا ہاتھ پکڑا اور میز کی طرف لے گئے۔

''چلو بیٹی کا ساتھ دے دیتے ہیں''۔

اور میں نے سوچا اگر واقعی ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہی رہیں تو زندگی کتنی آسان ہو جائے!

شمیم فاطمہ

خلل دماغی سے روشن خیالی تک!

ہم تو اخوت کی جہانگیری، محبت کی فروانی لئے پھرتے ہیں.....ایک دن سے ہمارا گزارا کہاں ہوتا ہے

بدیسی چیزوں اور بدیسی چہروں سے متاثر ہونا، ان پہ واری صدقے جانا ہماری پرانی عادت ہے۔ہمیں اپنی شخصیت اس وقت تک ادھوری اور مسکین سی لگتی ہے جب تک ہمارے جسم پر امپورٹڈ کپڑا نہیں ہوتا۔ہم اس وقت تک اپنے گھر کو اطمینان کی نظر سے نہیں دیکھتے جب تک اس میں امپورٹڈ اشیا نہ ہوں۔ہمیں اپنی گفتگو اس وقت تک معیاری نہیں لگتی جب تک ہماری زبان سے غیر ملکی الفاظ نہیں نکلتے۔ہمیں غیر ملکی کرنسی بھی بہت اچھی لگتی ہے، اس لئے ہم سر توڑ کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے گھر کا کم از کم ایک فرد تو امریکہ، کینیڈا نکل جائے۔بہو پردیسی ہو تو اس کے ساتھ ہم روایتی ساس والا سلوک نہیں کرتے۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے یہاں غیر ملکی سفیروں کا استقبال بھی کس قدر والہانہ انداز میں کیا جاتا ہے، خاتون سفیر ہونے کی صورت میں گرمجوشی اور وارفتگی مزید دو چند ہو جاتی ہے، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر کو لگیٹ کا اشتہار بنے یوں ہاتھ بڑھاتے ہیں جیسے دستِ سوال میں ہاتھ مانگ رہے ہوں پھر ہاتھ تھامتے اور کافی دیر تک تھامے رہتے ہیں۔ٹی وی پر یہ منظر بار بار دکھا کر چشم گنہگار کو مزید گنہگار کیا جاتا ہے، دیکھنے والے بار بار استغفر اللہ کہتے اور بار بار یہ منظر اسی انہماک سے دیکھتے ہیں جس انہماک سے پہلے دیکھا تھا۔(اس موقع پر صاحبِ دل، دل مسوس کر رہ جاتا ہے کہ وہ صدرِ پاکستان کیوں نہ بن گیا!)

جس طرح ہمارے بچوں کو گھر کا کھانا پسند نہیں آتا اور وہ ہوٹل اور ریسٹورنٹ جانے کی ضد کرتے ہیں، جس طرح نان کی جگہ پیزا ہٹ نے لے لی ہے اسی طرح ہمیں اپنی کوئی چیز کوئی روایت کوئی بزرگ کوئی تہوار اچھا نہیں لگتا۔اس لئے کچھ تہواروں کو ہم نے پاکستانی ٹچ دے کر اپنے ہاں رائج کر لیا ہے اور اسے اسی جوش و جذبے سے منانے لگے ہیں جس جذبے سے گئے وقتوں میں عید اور شب برات منایا کرتے تھے (اب تو چاند رات کو شاپنگ سینٹر پہ بسر کر کے جب دیر گئے گھر آتے ہیں تو گھر والوں سے بہانہ کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی کہ گھر والوں کو پتہ ہے کہ یہ آوارہ گردی نہیں روشن خیالی ہے) پھر پڑ کے سو رہتے ہیں۔یوں بھی منہ اندھیرے اٹھنا، غسل کرنا، نئے کپڑے پہننا، نماز کے لئے مسجد جانا، محلے داروں، رشتہ داروں سے (ایسوں ویسوں سے) ملنا اچھا خاصا دقیانوسی اور فضول سا کام ہے اور شب برات منانے میں کچھ عقیدہ حائل ہو گیا ہے کچھ مہنگائی۔سو ہمارے پاس لے دے کے دو ہی تہوار بچتے ہیں۔عید اور بقر عید.....یہ بھی کوئی بات ہوئی؟ اتنی بڑی عظیم قوم اور محض دو تہوار! لوگ کیا کہیں گے یہ اتنے غریب ہیں؟ چنانچہ اس احساسِ محرومی سے بچنے کے لئے ہم نے کچھ پردیسی تہوار بھی گود لے لئے اور آپکو تو معلوم ہے کہ گود لینے کے بعد ہم بچے کی ولدیت کے خانے میں اپنا ہی نام لکھوا دیتے ہیں چنانچہ ہم نے انکو ''اپنا لیا اور راکھی، بیساکھی، بسنت، پپی نیو ائیر اور ویلنٹائن ڈے کا سیلابی ریلہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس طرح داخل ہو گیا جس طرح افغانستان میں امریکی فوج داخل ہوئی اور مائیں بیچاریاں ''زم! زم!'' کی صدائیں ہی لگاتی رہ گئیں.....آخر ہماری زندگی میں بھی کوئی ترنگ ہونی چاہیے ناں! یا صرف لپٹن چائے پی کر ہی ترنگ میں آتے رہیں گے اس بے ذائقہ اور بے رنگ امروز و فردا کو رنگین بنانے کی بھی کوئی Recipe ہونی چاہیے یا ساری عمر ٹی وی کے آگے بیٹھے وہ Recipe نوٹ کرتے رہیں جنہیں مہنگائی کے باعث آزما نہیں سکتے سو ہماری روکھی پھیکی زندگی میں ہلہ گلہ، رونق میلہ، گہما گہمی اور رنگا رنگی کی آمیزش ہوئی اور ہمیں معلوم ہوا کہ زندگی کتنی حسین ہے۔ورنہ ہماری زندگی میں رکھا ہی کیا تھا! روکھا پھیکا، دقیانوسی سا کلچر اور بیزار سا، نہ رنگا رنگی، نہ چکا چوند، آزادئ اظہار، نہ آزادئ محبت۔تاک جھانک پر پابندی، عشق و عاشقی کی مخالفت، ناولوں پہ سنسر ڈراموں پر پابندی، فلم بینی کی اجازت نہ آؤٹنگ کی، دوستوں کا حسب و نسب معلوم کیا جاتا ہے۔فون آئے تو نگرانی کی جا رہی ہے۔دیر سے آؤ تو جرح کی جا رہی ہے۔نیٹ پر بیٹھو تو

بار بار کمرے میں چکر لگائے جا رہے ہیں ۔ حد ہوتی ہے تنگ نظری کی ! ادھر کسی نوجوان کے دامِ محبت میں گرفتار ہونے کی اطلاع گھر پہنچی ، ادھر اماں سینہ کوبی کرتی ہوئی دھڑ سے بیہوش ہو گئیں ۔ ابا کی آنکھوں میں خون اتر آیا ۔ بھیا کے لہو میں ابال آنے لگا ۔ بہنیں سہم کر کمروں میں دبک گئیں اور آن کی آن میں گھر کا نقشہ ایسا ہو گیا جیسے دن دہاڑے کہیں ڈکیتی ہوئی ہے ۔ جیسے مال و اسباب لٹ چکا ہو ، اہلِ خانہ تہی دست و تہی داماں رہ گئے ہوں ۔ نڈھال ، ملول اور ہراساں !

یہاں تو نوجوانوں کو تنبیہہ کی جاتی ہے کہ ''کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں'' بار بار یاد دہانی کروائی جاتی ہے کہ ''لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول'' ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ بات گرہ میں باندھ لیں کہ ''نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر'' عشق کو دماغی خلل قرار دیکر کہا جاتا ہے کہ ''ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں'' لیکن خیر سے اب انٹرنیٹ ، روشن خیالی اور رات بھر فری کال پیکج نے ماحول کو کچھ سازگار بنایا ، اور دلِ دغدار میں جو حسرتیں سیلاب زدگان کی طرح بے یار و مددگار پڑی تھیں ، ان کی آبادکاری ممکن ہوئی ۔

''عالمی یومِ محبت'' پر ہر خاص و عام محتاج و غنی ، شاہ و گدا کو اجازت ہے کہ وہ یہ دن منائے ۔ سرخ گلاب منہ مانگے داموں خریدے ، دل نما غباروں سے ماحول کو آراستہ کرے ، تحفے تحائف دے ، سیر سپاٹے کرے ، کسی کو میسج سینڈ کرے ، کسی کو تہنیتی کارڈ بھیجے ، کسی کے ساتھ لنچ کرے ، کسی کو ڈنر پر انوائٹ کرے ، کسی سے معذرت کرے ، کسی کو منائے ، کچھ عشق کرے کچھ کام کرے (اور کام کا ستیاناس کرے) بہرحال اس دن تمام ٹی وی چینلز اسی حوالے سے پروگرام پیش کرتے ہیں اور اخبار خصوصی ضمیمے نکال کر پیغامِ محبت کی نشر و اشاعت میں حصہ لیتے ہیں ۔ کسی کو سورہ اخلاص یاد ہو کہ نہ ہو ، یہ دن ضرور یاد رہتا ہے ۔

اب عشق چونکہ کارِ دشوار اور کل وقتی کام ہے اس لئے اسے متروک کر دیا گیا ہے اور محبت اور دوستی کی نئی اقسام متعارف کروائی گئی ہیں ۔ عادتاً ، شغلاً ، مصلحتاً ، سہواً ، عمداً ، ضرورتاً کی جانے والی محبتوں کے علاوہ انٹرنیٹی محبت نے بھی بڑی شہرت پائی ہے ۔ اس فروغِ محبت میں انٹرنیٹ ، روشن خیالی اور رات بھر فری کال پیکج کا اتنا ہی ہاتھ ہے جتنا ہر کامیابی کے پیچھے کسی عورت کا ہوتا ہے ۔ اماں باوا کی نصیحتیں ایک طرف موبائل فون والوں کی آفر ایک طرف ۔ پچھلی نسل تو اپنے کئے کا نتیجہ بھگت ہی رہی ہے (اگر وہ اتنی کرپٹ ، غیر ذمہ دار ، بے اعتدال نہ ہوتی تو .....) موجودہ نسل کے راستے میں اتنی رنگینیاں اور چکا چوند رکھ دی گئی ہیں کہ ہر چند وہ دامن بچانا چاہے مگر بچا نہیں سکتی ۔

''یہ دوستی یاری'' جس تیزی سے ہمارے یہاں ''ان'' ہو رہی ہے اسی قدر تیزی سے مضبوط بندھن بھی کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ رہے ہیں (منگنیاں برسات میں بجلی کے تاروں کی طرح ٹوٹ رہی ہیں ۔ طلاق کی شرح پٹرول کی قیمت کی طرح بڑھ رہی ہے) کورٹ میرج جیسا غیر معروف لفظ اب معروف بن چکا ہے ۔ لو میرج کی راہ میں اب کوئی دیوار حائل نہیں رہی ہے ۔ نو بیاہتا دلہنوں کو جلانا یا قتل کر دینا اب کوئی چونکا ، دہلا اور لرزا دینے والی بات نہیں رہی ہے ۔ لیکن ان تمام باتوں کا تانا بانا اسی روشن خیالی سے ملتا ہے جسے ہم تہذیبی ارتقا اور قومی ترقی کے نام پر اختیار کر رہے ہیں ۔ ہمارے یہاں عارضی رشتوں کا کوئی تصور نہیں ہے نہ یہ رشتے ہوا کے جھونکوں کی طرح ہوتے ہیں نہ یہ وقت گزاری کے لئے ہوتے ہیں نہ دل لگی کے لئے ۔ ہمارے لئے محبت بھی ایک فریضہ اور ذمہ داری ہے دین سے ہو ، وطن سے ہو ، شریکِ حیات سے ہو ، اقربا یا احباب سے ہو ۔ ہم تو اخوت کی جہانگیری ، محبت کی فراوانی لئے پھرتے ہیں ۔ سال میں صرف ایک دن محبت کے چرنوں میں بیٹھ کر اس کی بلائیں لینے سے ہمارا گزارہ کہاں ہوتا ہے ۔ اس کے لئے صرف ایک دن مخصوص کرنا اتنی ہی نامناسب بات ہے جتنا ایک جمہوری ریاست میں مارشل لاء کا نفاذ ۔

☆☆☆

ذروہ احسن

مسکراہٹیں

☆ انسپکٹر نے اپنے دو ماتحتوں سے پوچھا: ''میں نے تمہیں جس ڈاکو کی تلاش پر لگایا تھا، وہ ملا یا نہیں؟

''سر جی ! ہم پوری کوشش کر رہے ہیں'' ایک ماتحت نے مستعدی سے جواب دیا۔'' ہم اسے پکڑنے میں تو کامیاب نہیں ہوئے لیکن سر جی ! اس پر ہماری دہشت اتنی بیٹھ گئی ہے کہ جب ہم گشت پر ہوتے ہیں تو وہ بالکل سامنے نہیں آتا۔ یہ بھی کچھ کم کامیابی نہیں ہے سر جی.....''

☆☆☆

☆ سڑک پر دو کاریں آپس میں ٹکرا گئیں۔لوگ مدد کو دوڑے پولیس کانسٹیبل نے کار سے زخمی کو نکالتے ہوئے پوچھا:'' آپ کو زیادہ سنگین چوٹیں تو نہیں آئیں؟'' مجھے کیا معلوم؟'' زخمی کراہا۔''میں فوجداری وکیل نہیں دیوانی وکیل ہوں''۔

☆☆☆

☆ ایک آدمی گھبرایا ہوا پولیس اسٹیشن آیا: انسپکٹر صاحب ! مجھے گرفتار کر لیجئے میں نے اپنی بیوی کے سر پر لاٹھی ماری ہے۔

انسپکٹر: کیا وہ مر گئی؟

آدمی: نہیں بلکہ وہی لاٹھی لئے وہ میرے پیچھے آ رہی ہے۔

☆☆☆

☆ رشید احمد صدیقی جب شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے صدر تھے تو ممتاز حیدر گرلز کالج کی پرنسپل نے ایک دن ان سے کہا'' گرلز کالج کی لڑکیاں اردو ڈیپارٹمنٹ دیکھنا چاہتی ہیں۔آپ کوئی مناسب تاریخ اور وقت بتا دیں تا کہ سہولت رہے''

رشید صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا'' وقت اور تاریخ تو لڑکی والے ہی طے کرتے ہیں''۔

☆ رات گئے ایک شخص کو سڑک سے گزرتے دیکھ کر گشت پر مامور کانسٹیبل نے پوچھا: اتنی رات کو کہاں جا رہے ہو؟

''وعظ سننے جا رہا ہوں''

''وعظ کہاں ہو رہا ہے؟''

''میرے گھر''

''کس کا وعظ ہو گا؟''

''میری بیوی کا''

☆☆☆

☆ ''یہ ریوالور کی نالی جو تمہاری پسلیوں میں چبھ رہی ہے، کیا تم اس کا مطلب سمجھتی ہو؟'' ڈاکو نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''اوہ میرے خدا.....!'' ڈاکو زنی کی شکار عورت خوشی سے چلا اٹھی

''اس کا مطلب ہے میں اپنا وزن کم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں''

☆☆☆

☆ احمد: میں ایک ایسے مصور کو جانتا ہوں جس نے مکڑی کا جالا اس خوبصورتی سے بنایا کہ نوکر اسے کئی گھنٹے تک چھت سے صاف کرنے کی کوشش کرتا رہا۔''

محمود: مجھے یقین نہیں آتا۔

احمد: کیوں نہیں دنیا میں اکثر ایسے مصور گزرے ہیں۔

محمود: یقیناً ایسے مصور گزرے ہوں گے لیکن ایسے نوکر کہاں ہیں؟

چلتے چلتے

لاہور میں دونو جوانوں کو گولیوں سے بھون کر.....پھر ان کے تڑپنے کی ویڈیو فلم بنانے والا امریکی ریمنڈ ڈیوس ان دنوں جیل میں ایسا معزز مہمان بنا ہوا ہے کہ اتنی عزت تو وطن عزیز میں عام پاکستانی شہری کو بھی شاید ہی حاصل ہو۔اخبارات کے مطابق جیل حکام اسے سر، سر کہہ کر عرض گزارش کرتے ہیں۔جیل مسجد کا لاؤڈ سپیکر بند کر دیا گیا ہے کہ اذان کی آواز عزت مآب قیدی کی طبع نا ساز پر گراں گزرتی ہے۔اُدھر امریکہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کبھی کوئی چکر چلا کر کبھی ڈرا دھمکا کر اسے واپس مانگ رہا ہے ادھر ہماری حکومت کی جان حلق میں اٹکی ہوئی ہے۔بقول وزیر اعظم گیلانی صاحب ''منجدھار میں پھنسے ہیں عوام کی بات سنیں تو دنیا ،ورنہ عوام ناراض ہو جاتے ہیں'' گویا نہ جائے ماندن پائے رفتن والی کیفیت ہے۔قوم ایک دفعہ پھر جامعہ حفصہ کی تاریخ دہرا رہی ہے یعنی ساری قوم ایک طرف.....حکومت اور اس کے حواری، زرداری، قوم و ملک کے ''خیر خواہ'' دوسری طرف۔کوئی امریکی امداد بند ہونے کا ھوّا کھڑا کر رہا ہے۔کوئی آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی ناراضگی کا بتا کر وطن عزیز کے ریگستان بن جانے کا منظر پیش کر رہا ہے۔ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ اگر تو ان بظاہر ہمارے خیر خواہوں مگر در پردہ امریکہ کے غم خواروں کے نزدیک نعوذ باللہ رازق امریکہ ہے پھر تو ان کے یہ خدشات درست مانے جا سکتے ہیں لیکن جب ایسا نہیں ہے اور امریکہ بھی اپنی حیات و معیشت کے لئے اسی ذات احد و قادر اور خالق و رازق کا محتاج ہے تو پھر قومی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے ریمنڈ ڈیوس کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کر کے عدالت کا فیصلہ مان کر پھر اس فیصلے پر عمل درآمد بھی کرنا ہوگا۔لیکن یہ تو عوام کی خواہش ہے ہوگا تو وہی جو خواص چاہیں گے اور خواص کیا چاہیں گے؟ یہ سب پر عیاں ہے مزید عیاں و بیاں ان سطور کے چھپتے چھپتے ہو جائے گا۔

آپ ملاحظہ فرمائیے چلتے چلتے کی پہلی خبر:

''لوگ جھوٹ بہت بولتے ہیں۔انصاف کرنا مشکل ہو گیا۔ بد دیانت لوگ جہنمی ہیں۔بہترین مسلمان ہی بہترین جج بن سکتا ہے :چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ اعجاز چوہدری''

یہی ہمارے زوال کی، ہمارے افلاس کی بنیادی وجہ ہے کہ جھوٹ کی حکمرانی ہے۔جھوٹ کی فروانی ہے۔ مذاق میں بھی۔ ہنسنے ہنسانے کے لئے بھی جھوٹ بولنے پر 'ہلاکت ہے۔ہلاکت ہے۔ہلاکت ہے۔' فرمان نبویؐ ہے۔پھر سنجیدگی سے.....کاروبار زندگی میں جھوٹ بولنے کی وعید کیا ہوگی۔اندازہ کرنا مشکل نہیں اعجاز چوہدری صاحب کی آواز مکّے اور مدینے! پر سچ بولنے کی مہم شروع کیجئے، چیف جسٹس (لاہور ہائی کورٹ) صاحب! ہمارے خیال میں اس کا آغاز ایوان صدر سے ہونا چاہیے کہ صدر زرداری صاحب جھوٹ سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ان کا تین سالہ عہد حکومت ہماری اس بات کی تائید کر رہا ہے۔دیکھ لیجئے کیسے کیسے اہم مقامات پر انہوں نے جھوٹ سے دامن بچایا ہے۔بے نظیر کی وصیت کا معاملہ ہو یا بھوربن میں نواز شریف صاحب سے معاہدے کی بات۔امریکہ کے ڈرون حملے ہوں یا ریمنڈ ڈیوس کا مسئلہ ہر کہیں سچ کی حکمرانی ہی قائم کرتے ہیں مگر وہ سچ جو یہ خود دیکھنا سننا پسند کریں۔ان حالات میں تو یہی کہا جا سکتا ہے

؎ خدا قوم کو ان سے محفوظ رکھے
تپش کو جو ٹھنڈی ہوا لکھ رہے ہیں

''پچاسویں سالگرہ: امیر کویت کا ہر شہری کے لئے ایک ہزار دینار (تین لاکھ روپے تقریباً) اور سال بھر کے مفت راشن کا اعلان۔یکم فروری سے نافذ العمل اس اعلان کے مطابق یکم فروری کو پیدا ہونے والے بچوں

کو بھی ایک ہزار دینار ملے گا''

بات ہوئی نا وطن کا جشن آزادی منانے کی جب ہر گھر میں دیناروں کی ریل پیل ہوجائے گی تو ہر سو جشن کا عالم تو ہوگا ہی ۔ایک پاکستان ہمارا۔عالم اسلام کی آنکھ کا تارا ایسا ملک ہے کہ 63 سال گزر چکے آزاد ہوئے بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ مقابلہ جاری ہے اور ''بہترین'' حکمرانوں کی بے نظیر طرز حکمرانی کے طفیل نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ حکومت تن کے کپڑے بھی بیچ کھانے کو تیار بیٹھی ہے۔ ہر آن اور ہر سمت ٹیکس کا نفاذ بنیادی ضروریات پوری کرنے میں بھی مانع ہے۔غیر ملکی قرضوں میں گوڈے گوڈے دھنسے ہوئے ہیں ہر پیدا ہونے والا بچہ ہزاروں روپے کا مقروض ہے جو بھی ہے۔ جہاں بھی ہے اس نے ملکی خزانے کو شیر مادر کی طرح غٹا غٹ حلق سے اتارا ہے۔تبھی تو آج پاکستان کا ہر شعبہ کرپشن کا مارا ہے اور ستم ظریفی تو دیکھئے کہ ہمارے حکمران اتنے ہی شافانہ ناز و انداز کے حامل.....آسائش و زیبائش اور مال و زر کی وادیٔ دلفریب کے مکیں ہیں ادھر عوام کے پاس نہ بجلی، نہ گیس، نہ چینی نہ امن و عیش۔ان حالات میں ہر پاکستانی بے ساختہ چیخ رہا ہے۔

؎ تیری زندگی ہے کرسی
میری زندگی سٹینڈنگ
تیری زندگی ڈسائیڈڈ
میری زندگی ہے پینڈنگ

''کتے، بلی کو ساتھ سلانے سے 10 خطرناک بیماریاں انسان کو منتقل ہو جاتی ہیں۔ان کی جلد پر موجود چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے طاعون کا خطرہ بھی ہوتا ہے: ماہرین''

دیکھ لیجئے باہر والوں کی کرتوتیں! جن کا ہر کام ہمارے ہاں آئیڈیل تصور کیا جاتا ہے۔قربان جایئے اسلام کے نظام طہارت کے۔مگر ہمارا تو یہ حال ہے کہ اپنے خورشید کو لحاف میں چھپا کر غیروں کی موم بتی ہاتھ میں لے کر سفر حیات طے کرنا چاہتے ہیں .....ہمیں عقل مند کون کہے گا؟ چنانچہ غیروں کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی طبقہ امرا پالتو جانوروں کا ازحد شوقین ہے اور ان جانوروں کے ایسے ایسے لاڈ پیار اور نخرے اٹھاتا ہے کہ ان کے گھریلو ملازمین بھی ان کے آگے پانی بھرتے ہیں.....ان کے قیام وطعام کے انتظامات دیکھ دیکھ کر آہیں بھرتے ہیں۔ان کا ٹھے انگریزوں کے روز و شب دیکھئے اور عام پاکستانی کی حالت دیکھئے تو انکل سرگم یاد آجاتے ہیں۔

؎ میرے پیارے اللہ میاں!
سوچ کے دل گھبراتا ہے
بند ڈبوں میں خالص کھانا
ان کا کتا کھاتا ہے
میرا بچہ روتے روتے
بھوکا ہی سو جاتا ہے

''توہین رسالت قانون میں ترمیم کا بل بادلِ نخواستہ واپس لینے کا فیصلہ کیا۔وزیراعظم کی طرف سے اس مسئلے پر کسی قسم کی بحث سے انکار کے بعد اور کوئی چارہ نہ تھا: شیری رحمان''

اسے کہتے ہیں سو پیاز بھی کھائے اور سو جوتے بھی۔ بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جب بادل نخواستہ کام کیا تو پھر اجر کیا اور کہاں سے؟ گویا توہین رسالت بل شیری جو کہ اپنی اس حرکت سے گیدڑی دکھائی دے رہی ہیں ..... کی آنکھ کا کانٹا ہے جسے وہ نکال پھینکنا چاہتی ہیں مگر وزیراعظم کی وجہ سے بادلِ نخواستہ رک گئیں۔اور وزیر اعظم نے ایسا کیوں کہا؟ ممتاز قادری کے جذبۂ حب رسول اللہ ﷺ کے باعث گھسن نیڑے کہ خدا؟ کے محاورے کے تحت بہت سے لوگوں نے بظاہر اپنے خیالات وافکار کو لگام دے دی ہے۔

''بھارت: بھکاری بابا نے ایک سو ایک غریب لڑکیوں کی شادی کروادی۔رشتے بھی خود تلاش کئے۔بابا منگل داس اب تک 750 لڑکیوں کی شادی کروا چکا ہے جن میں سے کچھ معذور بھی ہیں''

تفصیلات کے مطابق بابا منگل داس 2004ء سے اس کام میں لگا ہوا ہے۔ بھیک بھی وہ اسی کام کے لئے مانگتا ہے سوچنے کی بات ہے کہ منگل داس تو خلق خدا کے بوجھ ہلکے کر رہا ہے جبکہ جمعہ خان کیا کر رہا ہے؟ یعنی ہم مسلمان کیا کر رہے ہیں؟

مخلوق خدا کے بوجھ ہٹانے کی بجائے خود ساختہ رسوم و رواج اور نمود و نمائش کو فروغ دے کر اس بوجھ کو مزید بھاری کر رہے ہیں۔ سادگی ہمارے دین کی تعلیم ہے۔ میانہ روی سلامتی کا راستہ بتایا گیا ہے پھر بھی ہم ہیں کہ اس طرف آتے ہی نہیں۔ اگر ایوان صدر سے لے کر عام شہری تک صحیح معنوں میں سادگی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں تو سال دو سال میں تمام قرضوں سے گلو خلاصی ہو سکتی ہے..... یہ بے جا رسوم اور نمود و نمائش ہی کا شاخسانہ ہے کہ گھر بیٹھے بیٹھے بیٹیوں کے سر میں چاندی اترنے لگتی ہے۔ دیکھئے فاروق قیصر نے اس صورتحال کو کس خوبصورتی سے نظم کیا ہے

؎ دولت مند کی بیٹی کی
ڈولی اٹھا کے چلا کہار
اور اپنے گھر میں اس کی بیٹی
غربت کے آنگن میں لیٹی
کر کے حسرت کا سنگھار
شادی کی حد کر گئی پار

''ملک میں ستر فیصد خوشحالی آچکی۔ مختصر مدت میں عوام کی محرومیوں کو ختم کیا: وزیراعظم گیلانی''

نہ، نہ سید زادے! ایسا مت کہیے۔ ہماری آج کی پہلی خبر ہی جھوٹ کی فروانی کے بارے میں تھی..... آپ پھر جھوٹ کی کشتی میں سوار جھوٹ کے بادبان کھولے جھوٹ کے چپو چلا رہے ہیں..... یہ کشتی منزل پہ کیسے پہنچے گی؟ مسافروں کو بخیر و عافیت لے کر جانا آپ کی ذمہ داری ہے کہ ان دنوں آپ ان کے ملاح ہیں مگر آپ تو ایوان اقتدار کے مداح ہیں اور اقتدار کو بچانے کے لئے نہ جانے کیا کیا ارشادات فرماتے ہیں؟ کیا کیا کارنامے انجام دیتے ہیں؟ نام آپ کا یوسف ہے کاش صفات میں بھی یوسف ہوتے سچائی کے علمبردار ہوتے اور بانگ دہل کہتے'' ملک میں 99 فیصد بدحالی آچکی ہے۔'' لوگوں کو لمبی قطاروں میں لگا دیا۔ کبھی گیس بھروانے کے لئے کبھی چینی لینے کے لئے۔ تمام ضروریاتِ زندگی انکی دسترس سے دور کر چکے امریکہ کے ساتھ مل کر ڈرون حملے کر کر کے آبادی کو سمارٹ سطح پر لے آئے یوں مختصر مدت میں عوام کو خوشیوں سے دور کیا اور محرومیاں ہی محرومیاں انہیں عطا کیں دیکھا ہمارا پی پی پی کا سنہری دور حکومت! اگلے الیکشن میں پھر ہمیں ووٹ دیجئے گا۔ اس سے زیادہ موجیں کروائیں گے۔

؎ ہم تم ہوں گے بادل ہو گا
رقص میں اپنا قاتل ہو گا
ٹوٹی سڑکیں جل تھل ہو ں گی
رستہ سارا دلدل ہوگا
گوشت ملے گا عید کے عید اب
ہر دن بدھ اور منگل ہو گا
اس تنخواہ میں اتنے بچے
جس کے ہوں گے پاگل ہوگا
ہم تم ہوں گے دنگل ہوگا
مہنگائی کا جنگل ہوگا

اُف! یہ درد

یہ تین حرفی لفظ درد بھی کیسا بے درد ہے کہ اسے لاکھ اُلٹ اُلٹا کر لکھو درد ہی رہے گا۔ یہ درد غالب کے نصیب میں آجائے تو بھی ایسا ڈھیٹ بن جاتا ہے کہ دوادارو کا احسان بھی نہیں اٹھاتا۔ کہتے ہیں

؎ درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا

درد کی بھی کئی اقسام ہیں۔ کچھ دردناک کچھ خوف ناک کچھ الم ناک۔ گویا ہر درد میں ناک کا رشتہ بھی بدرجۂ اتم موجود ہوتا ہے۔ کبھی دردِ عشق والدین کی ناک کٹوا دیتا ہے کبھی دردِ داڑھ ایسی خوفناک صورت اختیار کر لیتا ہے کہ دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ کبھی دردِ سر، سر پیر کی ہوش بھلا دیتا ہے۔ ایسے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ

اے درد! کبھی تجھ کو بھی کوئی درد اٹھا ہوتا

ایک اور درد بھی ہوتا ہے..... قوم کا درد! جس کا عالم ان دنوں یہ ہے کہ

؎ ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

مگر حالت یہ ہے کہ وطن عزیز کا ہر سیاسی پیادہ، فیل، توپ سب بے چاری قوم کے درد میں کچھ اس انداز سے مبتلا ہوتے ہیں، الیکشن لڑتے ہیں، پارلیمنٹ میں جا کر پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں دیتے ہیں اور ساتھ ہی قوم کا درد ہوا ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ ذاتی مفادات کا ایسا درد اٹھتا ہے کہ قوم بے چاری سے لاچاری کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے اور مہنگائی کے درد کو چپ چاپ اپنے اندر اتار لیتی ہے۔ ایک مہنگائی ہی کیا یہ عظیم و فہیم مسلم قوم تو نہ جانے اور کون کون سے درد سہہ رہی ہے اور کچھ بھی نہیں کہہ رہی ہے۔ ورلڈ آرڈر کی تلوار کا درد..... صیہونی یلغار کا درد..... وطن عزیز میں لادینی افکار و اقدار کا درد..... اسلامی فکر و عمل سے فرار کا درد..... ایوان صدر کے اندر طول اقتدار کا درد..... غرضیکہ ہر طرف درد ہی درد ہے اور اس درد کا نتیجہ ہے کہ ہم بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ

؎ آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ ہم کیا درد کی دردناک گردان کرنے لگے آپ تو یہ تحریر خود کو ہلکا پھلکا کرنے کے لئے پڑھنے بیٹھے تھے مگر یہاں تو درد کی ایسی درد انگیز لہریں دیکھ رہے ہیں کہ سر میں درد شروع ہونے کو ہے..... لیجئے صاحب! ہم فوراً درد کی یہ سر دردی کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں کہ آپ کا سر درد ہمیں ہرگز منظور نہیں اس لئے کہ ایک شاعر کہہ گیا ہے

؎ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

ہم آپ کا درد سمجھ کر آپکے ہمدرد نہیں بنیں گے تو پھر ہمارے انساں ہونے پہ حرف آ سکتا ہے۔ تو چلیے پھر اس درد کو بے درد لوگوں کے حوالے کر کے ہم آپ کی طبیعت کو ایک نثری نظم سے شگفتہ کرتے ہیں۔ عنوان ہے درد..... (ارے پھر وہی درد..... سچ ہے جیتے جی اس درد سے کسی کو مفر نہیں..... تھوڑا یا زیادہ ہر کوئی اس سے متعارف ضرور ہوتا ہے) یہ منیر ارمان نسیمی کی نظم ہے۔

درد..... یہ تین حرفوں کا سنگم
اپنے اندر کتنی وسعت رکھتا ہے
یہ چھوٹا سا لفظ
ہمارے ضمیر کا آئینہ ہے
یہ ہمارے سنگ ہو تو
ہمیں ہمدرد بناتا ہے

ورنہ انساں بے درد کہلاتا ہے

اے درد! کتنے رنگ روپ ہیں تیرے

وقت، ماحول، جگہ اور موسم کے ساتھ

تو بدلتا رہتا ہے مگر.....

تیرا ذائقہ نہیں بدلتا

اپنا درد.....اپنوں کا درد

جاگتی آنکھوں کا درد

بکھرے خوابوں کا درد

کسی کے ہونے کا درد

کسی کے نہ ہونے کا درد

کسی کو کھو دینے کا درد

میرا درد..... تیرا درد، ہم سب کا درد

اس درد کا ذکر چل نکلا ہے تو کس کس درد کا ذکر کریں۔ اگر بچے دور ہوں تو ان کی جدائی کا درد۔ بچے پاس ہوں اور بے نیاز ہوں تو ان کی بے اعتنائی کا درد۔ کسی بیوی کو اپنے شوہر کے ہر جائی ہو جانے کا درد۔ کسی شوہر کو اپنی بیوی کی ڈھیروں ڈھیر شاپنگ کا درد۔ کچھ اساتذہ کو کالج سے زیادہ اکیڈمی میں پڑھانے کا درد، طلباء کو انٹری ٹیسٹ کا درد، عوام کو بجلی، پانی، آٹا، چینی نہ جانے کس کس چیز کی کم یابی و نایابی کا درد.....اور اس درد کے نتیجہ میں مختلف جسمانی امراض اور درد۔ جیسے سینے میں درد، گھٹنے میں درد، پاؤں میں درد، آنکھ میں درد، کان میں درد، پسلی میں درد، گردے میں درد، پیٹ میں درد، جوڑوں میں درد غرض کہ اک درد کا جہاں ہے اور یہ حضرت انساں ہے۔

درد کی بات چلی ہے تو لگے ہاتھوں آپ کو ایک کام کی بات بھی بتاتے چلیں کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے ایک خاتون کے گھٹنوں میں درد ہو گیا۔ سخت پریشانی، نہ چلا جائے ہے مجھ سے نہ کھڑا ہوا جائے والی کیفیت تھی۔ ہفتہ دس دن اسی تکلیف میں کاٹے۔ گھر میں ہمہ وقتی معاون کوئی نہیں تھا خود ہی کسی نہ کسی طور پر باورچی خانہ اور گھر داری کو نبھائے رکھا۔ ایک دن اچانک ایک خیال ان کے دل میں آیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو یہ گھٹنوں کا درد اسی وجہ سے لاحق ہوا ہے۔ انہیں یاد آیا کہ چند ماہ پہلے ان کے گاؤں کی ایک عورت کو گھٹنوں میں درد کی شکایت تھی۔ ان کے علم میں آیا تو انہوں نے سوچا بلکہ اسے کہہ بھی دیا کہ میں دوائی لے کر آپ کو بھجوا دونگی۔ پھر یہ بات ان کے ذہن سے نکلگئی ایک دن اپنی دوائی لینے ایک میڈیکل سٹور پہ گئیں تو وہ عورت بھی یاد آ گئی۔ گھٹنے کی درد کی ایک دوائی جس کا نام وہ جانتی تھیں۔ اس کی قیمت پوچھی تو 600 روپے کی ایک ڈبیہ تھی۔ خاتون نے دوائی لینے کا ارادہ ملتوی کر دیا کہ کیا پتہ وہ عورت دوائی کھائے یا نہ کھائے پھر بغیر کسی ڈاکٹر کو دکھائے یا ایکسرے اتروائے یہ دوائی لینا بیکار ہے چنانچہ اس خاتون نے دوائی نہ لی۔

اب جو اپنے گھٹنوں میں درد اٹھا تو یہ سب کچھ یاد آ گیا۔ چنانچہ نہایت توجہ کے ساتھ اللہ رب العالمین کے آگے دل ہی دل میں عرض گزاری کہ محض اس کے دوائی نہ کھانے کے اندیشہ سے میں نے دوائی لے کر نہیں بھیجی۔ اگر وہ ڈاکٹر کو دکھا کر مطلوبہ دوائی مجھے بتائے گی تو میں اسے لے دوں گی۔ اے رب کریم! تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ میری نیت سے بھی بخوبی آگاہ ہے پس مجھے معاف کر دے، میری توبہ قبول کر لے اور مجھے اس درد سے نجات دے دے۔ الحمدللہ کثیراً کثیر اس خاتون کا درد بالکل ختم ہو گیا۔ بات اس ذات قادرِ مطلق کے آگے گڑگڑانے کی ہے.....اپنی کمزوریوں، کوتاہیوں پہ شرمندہ ہو کر توبہ تائب کرنے کی ہے وہ ذات تو اپنے بندے کے رجوع کرنے پر از حد خوش ہوتی ہے حالانکہ اسے ہماری عبادت، ریاضت کی قطعاً ضرورت نہیں، وہ اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔ ایک شعر یاد آ رہا ہے۔

؎ اس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے

اک بار خطا ہو جاتی ہے، سو بار ندامت ہوتی ہے

ہم سمجھتے ہیں درد جسمانی ہو یا روحانی..... ہر قسم کے درد کا ایک ہی علاج ہے آنسو.....ندامت کے آنسو.....توبہ کے آنسو.....توبہ قبول ہو جانے پر.....دعا قبول ہو جانے پر، قلب و روح شگفتہ ہو جانے پر خوشی کے آنسو!

اب جاتے جاتے ایک اور نظم سے لطف اٹھاتے جایئے۔

درد کیا ہے کسے بتائیں ہم
درد کی ہیں ہزار ہا قسمیں
'د' میں ہے کہ درد 'ر' میں ہے
یہ محقق ہمیں بتائیں گے
درد خود درد ہے مرے بھائی
درد پر تبصرہ کہاں تک ہو؟
درد جینے میں، درد مرنے میں
درد گھٹنے میں درد ٹخنے میں
اس کو ڈھونڈے کہاں تلک کوئی
اور اندر بھی درد ہوتا ہے
یہ تو غالب کو بھی اٹھا تھا کبھی
پر وہ منت کش دوا نہ ہوا
یہ بھی اچھا ہوا، برا نہ ہوا
ہائے! اک درد اور ہوتا ہے
دانت کا درد جس کو کہتے ہیں
جس کو اٹھتا ہے، بیٹھ جاتا ہے
بیٹھ کیا، لیٹ لیٹ جاتا ہے
دانت کا درد جس کے اٹھتا ہے
دانت لے کر ہی درد ٹلتا ہے
درد یوں تو کسی کو بھی نہ ہو
اور اس کو تو یہ کبھی نہ ہو
جس کا شعر و ادب سے ناطہ ہے
یہ تو بھیجا ہی چاٹ جاتا ہے
اس کے چاٹے کا کچھ علاج نہیں
اس کے کاٹے کا کچھ علاج نہیں

میری لائبریری سے

نام کتاب: نیل کے ساحل سے لے کر
مصنفہ: ثریا اسماء
پبلشر: ادارہ بتول، سید پلازہ، ۳۰ فیروز پور روڈ، لاہور
فون: ۰۴۲-۳۷۵۸۵۴۴۹

اس کالم کے لیے مجھے دل و جان سے ایک ہی عنوان پسند تھا ''بیٹھ کر سیر دو جہاں کرنا'' لیکن چونکہ یہ عنوان خواتین کے ایک اور مشہور و معروف ڈائجسٹ میں مستقل کالم کے طور پر موجود ہے لہٰذا سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں تھا۔ سیر و فی الارض کے قرآنی حکم پر مجھے سفرنامے اور آپ بیتیاں بے حد پسند ہیں ..... بہت کم سفرنامے، سفرنامے کہلائے جانے کے قابل ہیں۔ کچھ ان میں سے جغرافیہ کی کتاب اور کچھ تاریخی ناول بن جاتے ہیں۔ کچھ میں مصنف یا مصنفائیں اپنے آپ کو ہیرو یا ہیروئن تصور کرتے ہوئے سفرنامہ میں ایسا عاشقانہ انداز شامل کرتے ہیں کہ وہ سفرنامہ کم اور فلمسٹار کی آپ بیتی زیادہ بن جاتے ہیں۔ بہت کم سفرنامے ایسے ہیں جو قاری کی انگلی تھام لیں اور ہر منظر ہر لمحہ پر اسے اپنے ساتھ رکھیں.....اس سفرنامے میں رنگینیٔ مزاج ہو نہ ہو، تاریخ اور جغرافیے کے ساتھ ساتھ اتنی دلچسپی ضرور ہوتی ہے کہ سفرنامہ پڑھتے ہوئے قاری اس مقام پر اپنے آپ کو موجود تصور کرتا ہے جہاں کا یہ سفرنامہ لکھا جا رہا ہوتا ہے۔

'نیل کے ساحل سے' ایسا ہی ایک سفرنامہ ہے جسے پڑھ کر میری معلومات میں سوڈان اور وہاں کے عوام سے اتنا بھرپور تعارف ضرور ہو گیا کہ دل چاہا کاش سوڈان کا ایک چکر ہم بھی لگا لیتے ..... بہرحال یہ خالی خولی ''سوڈانی سفرنامہ'' نہیں بلکہ وہاں کے رسم و رواج، طرز معاشرت کے ساتھ ساتھ مصنفہ کے قیام کی تفصیلات اور مشاہدات پر مبنی ہے..... وہاں کتابوں کے ساتھ ساتھ انسانوں کے مطالعے کی ایسی دلچسپ روداد ہے کہ دل چاہتا ہے یہ دوسروں کو بھی سنایا جائے۔ انداز بیان میں سادگی کے ساتھ ساتھ روانی اور اس روانی میں اخلاص نمایاں ہے جو قاری کو اپنے حصار میں رکھتا ہے۔ آپ کی سہولت کے لیے بتاتے چلیں کہ مصنفہ کے شوہر اٹامک انرجی کے شعبے میں بہت بڑے عہدے پر فائز تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد سوڈان کی حکومت نے کینسر ہسپتال کی تعمیر کے لیے انھیں سوڈان آنے کی دعوت دی۔ ازدواجی زندگی کی شروعات میں میاں بیوی اکٹھے کہیں نہ بھی جا پائیں تو ایسا مسئلہ نہیں جتنا اس دور میں جب قرآن ان کے تعلقات کو ''مودت و محبت'' قرار دیتا ہے۔ اب وہ ایک دوسرے کے لیے نصف بہتر نہیں ''بہت بہتر'' بن جاتے ہیں۔ ایسے میں اس اسلامی ملک کی بااصرار دعوت کو قبول کرنے کے بعد دونوں میاں بیوی سوڈان روانہ ہوتے ہیں۔ سوڈان کا جغرافیائی تعارف آپ کو افریقہ لیے چلتا ہے۔''

''سوڈان براعظم افریقہ کے مشرقی ساحل پر واقع رقبے کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس کی سرحدیں نو ممالک سے ملتی ہیں اس طرح یہ اچھے برے کئی قسم کے ہمسایوں میں گھرا ہوا ہے۔ دو کروڑ ساٹھ لاکھ کی آبادی میں نوے فیصد سے زائد مسلمان ہیں۔ فقہی لحاظ سے یہ لوگ مالکی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ ایک زرعی ملک ہے جسے دریائے نیل سیراب کرتا ہے۔ جنوری ۱۹۵۶ء میں اسے آزادی ملی۔ ۱۹۶۹ء میں جنرل نمیری نے جمہوری حکومت کا تختہ الٹ کر فوجی حکومت قائم کر دی اور خود صدر بن بیٹھا۔

جنرل نمیری سے لے کر موجودہ سیاسی حالات تک اگلے صفحات میں موجود ہیں۔ اس کے بعد سوڈان کے لیے گھر سے رخصتی، جدہ میں دو

روزہ قیام، عمرہ کی ادائیگی کا حال لکھا ہوا ہے۔ سوڈان پہنچنے سے پہلے سوڈان کے لیے سفر کا دلچسپ تذکرہ بھی ہے۔ لکھتی ہیں:

''نماز فجر ادا کرنے کے بعد پھر لائن لگی اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ہم جہاز میں سوار ہو گئے۔ استقبال ایک بڑی پڑھی لکھی خوش مزاج سوڈانی ایئر ہوسٹس نے کیا جس نے بڑا عمدہ باپردہ لباس پہنا ہوا تھا۔ سوار ہونے والی تقریباً ہر خاتون کے ہاتھ میں وینٹی بکس تھا، ایک بڑھیا کے ہاتھ میں بھی تھا۔ اسے ایئر ہوسٹس چھیڑنے کے انداز میں کچھ کہہ رہی تھی۔ بڑھیا نے کھول کر دکھایا تو اس میں کھانے کا سامان بھرا ہوا تھا۔''

سوڈان کے بارے میں مصنفہ کی معلومات قابل رشک ہیں۔ لکھتی ہیں:

''بارہ تیرہ سال پہلے سوڈان میں تین تین دن بجلی غائب رہتی۔ اندھیرے میں ملک ڈوبا رہتا۔ غربت اتنی تھی کہ لوگ روٹی حاصل کرنے کے لیے فجر کی نماز کے بعد لائنوں میں لگ جاتے اور دن چڑھے تک بچوں کے لیے روٹی حاصل کر پاتے۔ اسی طرح گاڑیوں کے لیے پٹرول کی راشن بندی تھی ایک گاڑی کو ہفتے میں تین گیلن پٹرول ملتا تھا اور اسی طرح آدھی رات کو قطار میں لگنا پڑتا۔ اب زیادہ چینی پیدا کرنے والے ملکوں میں سے سوڈان ہے۔ لیکن اس وقت ایک کلو چینی حاصل کرنے کے لیے بھی لائن میں کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑتا۔ بارش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا پھر انھوں نے سورۂ اعراف پڑھی۔ ''اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں نازل کرتے'' اور واقعی اسلامی قوانین نافذ ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔''

کتاب میں مختلف باب بہت دل چھو لینے والے عنوانات کے تحت دیے گئے ہیں۔ جیسے ''لگتا نہیں ہے جی میرا''، ''شالا مسافر کوئی نہ تھیوے'' ''قافلۂ سخت جان'' وغیرہ..... سوڈان جاتے ہی پہلی ضرورت ''لہسن'' کی تھی..... لہسن کے حصول کے لیے ہمسایوں سے رابطہ ہوا لیکن بہت عربی نہ جاننے کی وجہ سے زبان یارمن ترکی والا معاملہ رہا۔ عربی نہ جاننے کا اتنا قلق ہے کہ اسی پس منظر میں ایک پرانا واقعہ تحریر کرتی ہیں۔

''مشہور مصری سکالر اور اخوان المسلمون کی رہنما محترمہ زینب الغزالی پاکستان آئیں۔ ہم نے انہیں سمن آباد مرحوم اشفاق مرزا صاحب کے ہاں درس میں مدعو کیا۔ آپا جی بنت الاسلام مرحومہ نے سنا تو وہ بھی اپنا حلقہ درس جس میں وہ گھنٹہ بھر عربی بھی پڑھاتی تھیں لے کر وہیں آ گئیں۔ خلیل حامدی صاحب مرحوم محترمہ کو لیکر آئے اور پردے کے پیچھے بیٹھ کر ان کی تقریر کا ترجمہ سناتے رہے۔ پھر بلند آواز سے محترمہ کو مخاطب کر کے کہنے لگے ''یا سیدہ! یہاں ہماری ایک بہت بڑی عربی دان بہن بنت الاسلام موجود ہیں ان سے آپ ضرور تعارف حاصل کریں۔'' بعد میں جب ہم سب لوگ بیٹھے تو زینب الغزالی نے آپا جی سے سوال شروع کر دیئے۔ ان کے سوال کا لہجہ ہی ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ آپا جی بیچاری بہت پریشان ہو کر مسکراتی رہیں۔ دو تین سوالوں کا جواب دینے کے بعد ان سے بات نہ ہو سکی اور محترمہ کے جانے کا وقت ہو گیا۔ آپا جی افسوس سے کہنے لگیں ''جب تک عربی بولنے کی مہارت نہ ہو عربی سیکھنی سکھلانی بے فائدہ ہے۔''

سوڈانی طرزِ زندگی اور کھانے پینے کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

''سوڈان میں لوگ نہایت سادہ اور صرف دو وقت کھانا کھاتے ہیں۔ دس گیارہ بجے صبح اور تین چار بجے شام۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ کھانا روزانہ اور دونوں وقتوں کا ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔ فول اور خبز اور صاحب حیثیت کے لیے ساتھ پیپسی۔ فول ایک قسم کی پھلیاں (Beans) جنہیں ہمارے ہاں لوبیا کہا جاتا ہے' سفید اور خاکستری رنگ کی چھوٹی اور بڑی کئی قسموں کی ہوتی ہیں۔ اب یہ تو انہیں ہی معلوم ہو گا کہ ان میں سے کونسی خوش ذائقہ ہیں۔ گھروں میں بھی پکتی ہیں اور بازار میں تو کثرت سے ملتی ہیں۔ زیادہ تر لوگ بازار سے منگواتے ہیں کیونکہ دس گیارہ بجے سکولوں' کالجوں' یونیورسٹیوں امراء و وزراء کے دفاتر اور ہسپتالوں میں سب نے ناشتہ کرنا ہوتا ہے۔ ایک ہی پلیٹ کے گرد اُنہی میزوں کرسیوں پر بیٹھے سب کھا رہے ہوتے ہیں دفاتر میں ساتھ پیپسی کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ خبز تقریباً دو بالشت لمبی اور دو انچ چوڑی خمیری روٹی ہوتی ہے۔ کئی

جگہ اس کا سینڈوچ بھی بنا ہوتا ہے مگر یہ ذرا پر تکلف طریقہ ہے۔ بس فول اور خبز ہی زیادہ چلتی ہے۔ گھروں میں اس پر آئل یا گھی ڈال لیا جاتا ہے اور ساتھ نمک اور لیموں رکھا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی انڈے ابال کر کٹے ہوئے اوپر ڈالے بھی دیکھے گئے۔ سنا ہے فول میں کیلوریز بہت ہوتی ہیں۔ لیکن روزانہ اور دونوں وقت کھانا نہایت شرافت اور زہد کی دلیل ہے۔''

یہ تو کھانا تھا اس کا طریقہ ملاحظہ کریں۔

''دعوتوں میں عمومی طریقہ یہی ہے کہ دو پلنگوں کے درمیان تپائی پر دو خواتین ایک بڑی سی گول ٹرے لا کر رکھ دیتی ہیں جس کے اندر آٹھ دس پلیٹوں میں مختلف چیزیں رکھی ہوتی ہیں اور پاس ایک تپائی پر ٹرے میں خبز اور دوسری تپائی پر جگ پانی کا اور صرف ایک گلاس۔ بڑا یا چھوٹا چمچ بالکل نہیں۔''

سوڈان میں تیل دریافت ہونے کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔ اس میں اپنوں (مسلمانوں) اور پرایوں (امریکیوں) کا کردار کھل کر سامنے آتا ہے..... لکھتی ہیں:

''جنرل عمر بشیر نے تیل کی تلاش کے کل اختیارات ایک امریکن کمپنی کو دیے۔ اس علاقے میں باغیوں کی شورش کا علاقہ بھی شامل تھا۔ جب یہ امریکن کمپنی اس علاقے میں پہنچی تو شورش کا بہانہ بنا کر ادھورا چھوڑ دیا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ وہ کمپنی نہ تو تیل کی تلاش کے حقوق سے دستبردار ہوتی تھی اور نہ ہی خود یہ کام کرنے کو تیار تھی (امریکہ سوڈان کو ایک تیل پیدا کرنے والا ملک نہیں دیکھنا چاہتا تھا) خلیج اور دوسری عرب ریاستیں بھی یہ نہیں چاہتی تھیں کہ سوڈان ان کی تیل کی آمدنی میں حصہ دار بنے اور ان سب کا مقصد یہ امریکن کمپنی پورا کر رہی تھی۔ حکومت کے خزانے میں اتنی وافر رقم نہیں تھی کہ اس کمپنی کا مطالبہ پورا کرتی۔ اس پر ایک بے حد امیر سوڈانی عمر عبداللہ نے اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے امریکن کمپنی کو منہ مانگی قیمت دے کر اس سے تیل کی تلاش کے حقوق واپس لے لیے اور یہ حقوق سوڈانی حکومت کو دے دیے۔ (اللہ ایسے امیر ایک دو تو ہمارے ملک کو بھی عطا کر دے۔ آمین۔ ق ر) اللہ نے اس مردِ حر کو بے شمار دولت ہی نہیں اپنے ملک کی اقتصادی بحالی کے لیے خرچ کرنے کا حوصلہ بھی عطا کیا تھا۔ خدا کے اس محبوب سرمایہ دار کا مقابلہ اپنے ہاں کے سرمایہ داروں سے کریں جو ملک وقوم کا خون چوس کر سوئٹزرلینڈ اور امریکہ کے بینکوں میں رقم جمع کرتے ہیں اور کارخانوں کی تعداد دو سے پچاس کر لیتے ہیں خواہ ملک اقتصادی طور پر نزع کی حالت میں ہو ان کی ہوس کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی اور رال ٹپکتی رہتی ہے۔

پیارے قارئین تیل کی بات ختم نہیں ہوئی۔ اللہ نے شاید اس دولت مند لیکن غنی دل والے انسان کی نیت کا اخلاص قبول کیا یا حکمرانوں پر رحمت کی کہ تیل کی تلاش کا کام چین اور ملائیشیا کی کمپنی کو دیا گیا جس نے محدود عرصہ میں اس قدر وسیع علاقہ میں تیل کی تلاش کا کام کیا کہ چھ سو کلومیٹر لمبی پائپ لائن بچھا کر خام تیل سمندر کے کنارے تک پہنچ گیا۔ اس وقت اس آئل فیلڈ سے ڈیڑھ لاکھ بیرل تیل روزانہ نکلتا ہے اور اس کا نصف یعنی ۷۵ ہزار بیرل سوڈانیوں کی ضرورت کے لیے کافی ہے باقی برآمد کیا جاتا ہے اور یہ استعداد اڑھائی لاکھ بیرل روزانہ تک پہنچ جائے گی۔''

تیل کی تلاش تو کمپنیوں کی مرہون منت ہے لیکن رب کی تلاش تنہائی کی متقاضی ہے۔ سوڈان میں مصنفہ کو بس تنہائی ہی نصیب تھی۔ لکھتی ہیں:

''آج کل میں دو ہی ہستیوں کے درمیان ہوں..... ایک خدائے واحد اور دوسرا خدائے مجازی! ایک کو رخصت کر کے دوسرے کو یاد کرنے بیٹھ جاتی ہوں اس کی یاد سے فارغ ہوتی ہوں تو پہلے کا انتظار شروع ہو جاتا ہے۔ تیسرا کوئی میری زندگی میں نہیں۔''

معزز قارئین! تنہائی بھی بس ایک حد تک ہی ''وارا کھاتی'' ہے، اس تنہائی سے گھبرا کر سوڈان کی نامور تنظیموں سے رابطہ کیا، بہت سی قابل قدر ہستیوں سے ملاقات ہوئی جن میں خواتین کی بین الاقوامی تنظیموں کی عہدیداران کے علاوہ پاکستانی سفارت خانے کی تقریب میں شمولیت بھی شامل تھی۔ یہ تذکرہ بھی بہت معلوماتی ہے۔

امریکی سازشوں نے سوڈان کو کیسے کیسے برباد کرنے کی کوشش کی یہ سفرنامہ کے باب ''پاسبانِ وطن'' میں مفصل لکھا ہوا ہے اور یہ تفصیل بہت

سے پردے آنکھوں سے ہٹاتی ہے۔

سوڈان میں چالیس سال کی عمر تک اس کے سب شہریوں کو چاہے وہ دیہات کا کسان ہو یا یونیورسٹی کا پروفیسر ایک سے ڈیڑھ سال تک کے لیے فوجی تربیت لازم ہے۔لڑکیوں کے لیے یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد یہ فوجی تربیت لازمی ہے۔سوڈان میں عورتوں کی بھی فوج ہے جو باپردہ لباس میں بندوقیں تھام کر پریڈ کرتی اور گھڑ سواری کرتی ہے۔ ہلال احمر کی طرف سے فرسٹ ایڈ اور نرسنگ کی تربیت لازمی ہے۔ ہر وارڈ میں ایک آفیسر مقرر ہے جو وہاں کی خواتین کو کچھ عرصہ لازماً چار بجے سے مغرب تک فوجی تربیت اور رائفل ٹریننگ دیتا ہے۔ ٹی وی پر ہر روز فوج کی نقل وحرکت' مشقیں اور سرگرمیاں دکھائی جاتی ہیں۔ دفاع کے وقت جھاڑیوں کے اندر بیٹھے ہوئے فوجی قرآن پڑھتے ،نفل پڑھتے ،کسی ویرانے میں ایک فوجی اذان دیتا ہے اور اردگرد سے کئی ساتھی مٹی پر ہی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہیں اجتماعی درس ہو رہا ہوتا ہے۔کہیں ذکر اور نعت گوئی کی محفلیں سجتی ہیں پھر خوش ہوتے اور گلے ملتے ہیں۔''

اس سفرنامہ میں اب تک قارئین،سوڈان کی ایسی جھلک دیکھی کہ لگتا ہے ہم بھی خیالوں میں سوڈان نادیدہ کی بجائے دیدہ ور ہو چکے ہیں..... موقع ملے تو حقیقت میں پی آئی اے کے پر لگا کر اڑ جائیں.....مگر ایسا نہیں سوڈانی زندگی کی کمیاں کوتاہیاں بھی بڑی ایمانداری سے کتاب میں موجود ہیں.....ذرا دیکھیے:

''سوڈان میں ای میل،فیکس، اور ٹیلی فون کا نظام خوب کام کرتا ہے مگر ڈاک کا نظام بے حد خراب ہے۔ہم نے شروع میں جو خط پوسٹ کیے وہ تا حال (۳ ماہ) میں نہیں ملے۔''

''رات یہ مسجد سے آئے تو خالی جرابوں کے ساتھ بڑے غصے سے چلے آ رہے تھے معلوم ہوا کسی نے جوتا اٹھا لیا۔ نیا اور خوبصورت تھا۔ میں نے کہا خیر ہے کسی ضرورت مند نے اٹھا لیا ہوگا، جوتے تو مدینہ میں ریاض الجنتہ تک میں اٹھائے جاتے ہیں۔''

مصنفہ نے عراق خلیج جنگ کے بارے میں اپنی معلومات بے حد دردناک انداز میں پیش کی ہیں۔

دریائے نیل (فرعون والے) کا ذکر پڑھیے اور سر دھنیے۔

''دریائے نیل مدنی شہر کے اندر سے گزرتا ہوا میرے پلنگ کی کھڑکی کے بالکل سامنے قریب سے بہتا نظر آتا ہے۔سوڈانیوں کی طرح مجھے بھی اب اس سے بہت محبت ہوگئی ہے۔سوڈان میں جنوب کی طرف سے یہ دو دریا نیلا نیل حبشہ (ایتھوپیا) اور سفید نیل یوگنڈا کی پہاڑیوں سے جنم لیکر داخل ہونے کے بعد الگ الگ چلتے ہیں اور دارالحکومت خرطوم میں جا کر ایک نیل بن جاتا ہے۔اس کے بعد مصر میں داخل ہو کر قاہرہ شہر کے اندر سے گزرتا ہوا شمالی سرحد پر بحیرہ روم میں جا گرتا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے اسی دریا کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کیلئے اس ''مجمع البحرین'' پر پہنچے تھے۔''

سوڈان کو اسی فیصد بجلی فراہم کرنے والے ''روزیرڈیم'' کے لیے جاتے ہوئے مصنفہ کا ذہن بالکل ''سفرنامہ نگار'' والا ہے۔اس کے متعلق رواں تبصرہ اور اپنے خیالات بلکہ ملک سے تقابلی جائزہ جاری رہتا ہے جو پڑھنے والے کو گرفت میں رکھتا ہے۔ رنگ برنگے مناظر کا ذکر کرتے ہوئے ایک ناقابل یقین منظر بھی دیکھ لیجیے۔

''راستے میں ایک چھوٹا سا قبیلہ دیکھا جو نائیجیریا سے آ کر آباد ہوا تھا۔ کچھ لوگ محنت مزدوری کرنے شہروں میں بھی آ جاتے ہیں۔ان لوگوں کی خاص خوبی یہ ہے کہ یہ محنت مزدوری کا پیسہ جمع کر کے سب سے پہلے حج کرتے ہیں۔کچھ ایسے لوگ بھی نظر آئے جن کا کوئی مذہب نہیں تھا۔ان میں ایک رواج یہ ہے کہ لڑکیوں کی بجائے لڑکے اپنے آپ کو سجا بنا کر رکھتے ہیں اور شادی کیلئے لڑکیاں اپنے لئے لڑکوں کا انتخاب خود کرتی ہیں۔ وہاں ہمیں بہت سے لڑکے نظر آئے جنہوں نے گلے میں موتیوں کے ہار اور گلوبند اور ہاتھوں میں زیور پہنا ہوا تھا اور ان کے لباس پر بھی ریشم سے کڑھائی کی ہوئی تھی جبکہ لڑکیوں نے پگڑیاں باندھی ہوئی تھیں اور جانور چرا رہی تھیں۔''

''روزیرڈیم'' سے بجلی بنانے کی تفصیل بھی اسی باب میں موجود

ہے۔ذرا دیکھیے:

''ڈیم کے بجلی گھر میں داخل ہوں تو باہر سورۃ نور کی پوری آیت اللہ نور السموت والارض لکھی ہے۔''

سوڈان سے بغرض عمرہ چند دنوں کے لیے مکہ روانگی اور مکہ میں عزیز و اقارب کے ساتھ ساتھ اللہ کے گھر کا ذکر۔

'' دنیا بھر میں اس کے مقابلے کی کوئی عبادت گاہ نہیں جہاں انسانوں کی یہ کیفیات ہوں۔ یہاں کسی طرح بھی اظہار محبت کر لو کچھ بھی شرک نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔سب ایک دوسرے سے ناواقف بلکہ عموماً زبان بھی نہیں سمجھتے اس لئے جیسے کوئی چاہے روئے، آہ وزاری کرے، دعائیں مانگے، لپٹے، بوسے دے، عقیدت کا جیسے بھی اظہار کرے کوئی اعتراض کرنے والا نہیں سب اس یقین و اعتماد سے مانگ رہے ہیں کہ اللہ سب کی دعائیں سن رہا ہے، قبول کر رہا ہے اور اس کی بخشش کا دروازہ کھلا ہے۔''

قارئین اپنے ہاں کے جشن آزادی اور اہم تقریبات کا موازنہ سوڈان کے اس فنکشن سے کیجیے:

''ہمارے سوڈان جانے کے چند دن بعد تیس جون کو سوڈان کے صدر عمر بشیر نے ریفائنری کا افتتاح کیا۔اس دن عمر بشیر کی حکومت کی گیارہویں سالگرہ بھی تھی۔ پورے ملک میں جشن کا سماں تھا لیکن اس خوشی میں بھی لوگ آپے سے باہر نہیں ہو رہے تھے بس سارا وقت سڑکوں پر پریڈ ہوتی رہی اور اللہ اکبر کے نعرے لگتے رہے۔صدر سے لے کر عام شہری تک اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔صدر نے بھی اسے سیاسی قد بڑھانے کے لیے استعمال نہیں کیا، وہ خود الشکر للہ کل شیءٍ للہ کے نعرے لگوا رہے تھے۔''

قارئین! بے حیائی و فحاشی کا لفظ آتے ہی ذہن ٹی وی کی طرف جاتا ہے لیکن سوڈان ٹی وی تبلیغ اور قربِ الٰہی کا سب سے موثر ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔ ہر نوع کا پروگرام لیکن اللہ اور رسولؐ سے شروع ہو کر اللہ کے ذکر خیر پر ختم ہوتا ہے۔خواہ چڑیا گھر کی سیر ہو یا مذاکرہ.....آن لائن کو وہاں پر اتصال ہاتفی (ٹیلی فون کنکشن) کہا جاتا ہے۔

ڈراموں کا حال دیکھیں کہ وہ بھی ''الاسلام وحیات جدیدہ'' کے تحت آتے ہیں سونے پہ سہاگہ تاریخی ڈرامے، بچوں کے کوئز پروگرام کا فارمیٹ، ادھوری آیت مکمل کرنا، انبیاء کے نام، اقوام کا ذکر، سائنسی سوالات۔سوڈان ٹی وی کے چینل کی تفصیل پڑھتے ہوئے بارہا ذہن میں آیا کہ کون کہتا ہے اسلام خشک دین ہے۔ یہ تو بڑا دلچسپ اور فطری دین ہے۔کہیں پیرا کی ہے تو کہیں ڈرامے.....خبروں میں جمعہ کے روز رات کو بڑی بڑی مساجد میں وزراء کی نماز کی ادائیگی دکھائی جاتی ہے۔ آخری صفوں میں سکولوں کے بچے کھڑے ہوتے ہیں.....حتیٰ کہ ٹی وی اناؤنسر تک ''اسلامی'' ہوتی ہے۔ ان پروگراموں کے وقفہ میں فوجی پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ایک بات سوڈان ٹی وی کی بہت اہم ہے کہ ہر شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم کہہ کر السلام علیکم سے بات شروع کرتا ہے اور سلام کرتے ہوئے ختم کرتا ہے۔اس کے بغیر تو ٹی وی پر آنے کا تصور بھی نہیں۔

چلتے چلتے سوڈان کے نظام تعلیم کی جھلک بھی دیکھ لیں۔

''قرآن وحدیث کے بورڈ بھی چورا ہوں اور سڑکوں پر لگوائے گئے ہیں ساتھ انگریزی زبان میں بھی بورڈ اور اشتہارات تھے۔شرح خواندگی ساٹھ فی صد ہے۔افریقہ کے پسماندہ علاقوں میں سے سوڈان جیسے علاقیمیں اس تعلیمی شرح کی بہت اہمیت ہے۔تمام گاؤں میں سکول لازمی ہیں۔ پرائمری تک معمولی سی فیس چارج کی جاتی ہے۔ یہاں ۹۰ فیصد گاڑی پک اپ چلتی ہے چونکہ بفضلہٖ تعالیٰ شرافت کا دور دورہ ہے اس لیے اکیلی لڑکی بھی سوار ہوتی دیکھی گئی ہے۔شہروں میں بھی پرائمری اور مڈل سکول ہیں۔ مساجد کے برآمدوں میں بھی مدرسے ہیں۔غریب سے غریب تر کے بچے ان مدرسوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ ہر شہر میں بے شمار سیکنڈری اسکول اور یونیورسٹیاں ہیں۔ ہائر سیکنڈری کے بعد تعلیم ''کوایجوکیشن'' ہے جبکہ ابتدائی مدرسے بالکل الگ ہیں۔سوائے عیسائی سکولوں کے۔یونیورسٹیوں میں تمام مضامین ہیں۔فزکس، کیمسٹری، اکنامکس، فوڈ ٹیکنالوجی، ایگری کلچر، ٹیکسٹائل انجینئرنگ، کمپیوٹر، میڈیکل، ٹیلی کام کے ساتھ بے شمار دیگر مضامین۔

عورتوں کی یونیورسٹیوں میں تمام پروفیسر خواتین ہوتی ہیں۔ جس مضمون میں بھی ماسٹر کرنا چاہیں سب میں عربی لازمی مضمون ہے۔ چوتھے سمسٹر میں ایک مکمل کورس علوم دینی (ریلیجیس سٹڈیز) پر ہے۔ خلیجی ممالک سے بہت سے طلبہ و طالبات یہاں کے میڈیکل کالجوں میں داخلہ لیتے ہیں۔ ٹیچروں پروفیسروں کے بچوں کے لیے اوپر تک تعلیم مفت ہے۔ ان یونیورسٹیوں میں سفارش بالکل نہیں چلتی۔ وزیر یا وائس چانسلر کا بیٹا بھی فیل ہو جائے تو کوئی اسے پاس نہیں کر سکتا۔ نقل کا بالکل چلن نہیں اگر نقل کرتے پکڑا جائے تو ڈسچارج..... داخلہ ملازمتیں سب میرٹ پر اور میرٹ میں کوئی سفارش نہیں۔''

پورے سفر میں ایک انتہائی کرب ناک حقیقت سوڈان کی بھارت دوستی ہے..... ''بازار بھارتی مالوں سے بھرے پڑے ہیں، لاکھوں کی تعداد میں ہندو دو تین سو سال سے وہاں آباد ہیں۔ بہت سے کاروبار پر ان کا قبضہ ہے۔ یہاں کی بسیں، ٹاٹا فیکٹری بھارت کی بنی ہوئی ہیں۔ سکوٹر ''بجاج'' بھارتی ہے۔ رکشے بھی ''بجاج'' کے چلتے ہیں۔ بجلی کے پنکھے بجلی کا تمام سامان بھارت سے آتا ہے۔ میڈیکل سٹور بھارتی ادویات سے پر ہیں۔ ہسپتالوں میں ڈرپ سیٹ، سرنجیں تک بھارتی ہیں۔ انتہائی ناقص سٹیل کے برتن، بھارتی پنجاب کے بنے ہوئے۔ برتن ہوزری یہاں تک کہ مسور کی دال تک بھارت سے آتی ہے..... یہ سب دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ خرطوم میں ہمارا سفارت خانہ کیا کر رہا ہے۔ وزارت خارجہ کی کارکردگی کیا ہے؟ ایسے معلوم ہوتا ہے یہاں کے حکومتی حلقوں میں کوئی بھارتی لابی موجود ہے یا کم از کم بھارت کے لیے نرم گوشہ موجود ہے۔ ٹی وی خبرنامے میں فلسطین کا ذکر ہوتا ہے کشمیر کا نہیں۔''

قارئین ۱۷۶ صفحات کے اس سفرنامے کا خلاصہ بیان کرنے کے لیے بھی ۷۶ صفحات ضروری ہیں۔ شروع سے آخر تک سفرنامہ میں دلچسپی برقرار ہے۔ سوڈان کے بہت سے رنگ دکھانے باقی ہیں لیکن اگر کتاب خرید کر پڑھا جائے تو رنگ ''دو چند'' ہو جائے گا۔ یہ سفرنامہ میں نے جب بھی پڑھا یہی دل چاہا ''چلو چلو سوڈان چلو.....'' لیکن یہ سوڈان ۲۰۰۰ سے قبل کا ہے..... آج کا سوڈان کیسا ہے۔ یہ اللہ جانتا ہے یا سوڈان کے باشندے۔

فی امان اللہ..... کالم پر تبصرہ ادھار مت رکھیں..... شکریہ۔

چند یادیں

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ 1945ء کے موسم سرما میں گُردے کا آپریشن کروانے کے بعد آرام کی غرض سے اپنے قریبی دوست اور تاسیسی رکن چوہدری محمد اکبر کے پاس شہر سیالکوٹ موضع مراد پور تشریف لائے۔ جہاں وہ بغرض آرام بعد از آپریشن ایک مہینہ قیام پذیر رہے۔ یہیں انہوں نے جماعت اسلامی لاہور کمشنری کا اجلاس بلایا۔ جسمیں انہوں نے اپنا وہ مشہور و معروف خطبہ دیا جو ''شہادت حق'' کے نام سے کتابچے کی شکل میں شائع ہوا۔

یہ اجلاس مقامی سکول (اقبال میموریل سکول) کی مسجد میں منعقد ہوا۔ اس اسکول کے بانی چوہدری محمد اکبر صاحب تھے۔ جو ڈاکٹر محمد اسلم پاشا کے والد گرامی تھے۔ بعد میں یہ اسکول کمیٹی کی تحویل میں دے دیا گیا۔

مولانا مودودیؒ نے یہاں جو وقت گزارا اسے یاد کرتے ہوئے ڈاکٹر اسلم پاشا صاحب کہتے ہیں کہ مولانا کے ساتھ گزارے ہوئے ان کے یہ شب و روز یادگار ہیں اور اُن کے لئے سرمایۂ حیات ہیں۔

مولانا اتنے بڑے عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ بے شمار اخلاقی خوبیوں کے مالک تھے۔ جن میں سے ایک بہت بڑی خوبی مزاح کی حس ہے۔ مولانا کو گنے چوسنا بہت اچھا لگتا تھا۔ جب ابا جان گنے چوس رہے ہوتے تو مولانا کہتے کہ چوہدری صاحب گنے آپ چوس رہے ہیں اور کپکپی مجھ پر طاری ہو رہی ہے۔

اسی طرح ایک دن مولانا پان کھا رہے تھے تو بڑے بھائی (انور پاشا) نے کہا، جو ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے مولانا ہمارا خیال تھا کہ آپ ہمیں بھی ایک ایک پان دیں گے۔ جس پر مولانا نے برجستہ کہا کہ میں آپ کو پان تو دے دوں لیکن مجھ سے آپ کا پان کھانا دیکھا نہیں جائے گا۔ بہت صفائی پسند اور نفاست پسند تھے۔ پان کھانے کے بہت شوقین تھے۔ خود ہی پتے کاٹ کر بہت قرینے سے پاندان میں رکھتے تھے۔

اپنی اتنی مصروفیت کے باوجود اپنے ہاتھوں سے پھل کاٹ کر بہت عمدہ اور خوش ذائقہ چاٹ بنایا کرتے تھے۔

مولانا فروری کے مہینے میں ہمارے پاس تشریف لائے تھے اور آپ کو علم ہے کہ سیالکوٹ میں شدید سردی ہوتی ہے۔ اس لئے غسل خانے میں پانی گرم کرنے کے لئے لوہے کا بڑا سا حمام تھا جس میں کوئلے ڈال کر پانی گرم کیا جاتا تھا۔ ابا جان نے میری ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی کہ حمام میں پانی گرم کر کے مولانا کو غسل خانے میں لے کر جانا ہے اور پھر جب تک میں وہ غسل خانے میں ہوتے میں باہر دروازے کے پاس ہی بیٹھا رہتا تھا۔ اسی طرح ایک دن حسب معمول میں دروازے کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ وہ دروازہ کھٹکھٹائیں اور میں ان کو لے کر اندر جاؤں لیکن کچھ وقت گزر گیا اور کوئی آواز نہیں آئی میں نے گھبرا کر دروازے سے کان لگائے کہ ان کے کراہنے کی آواز آئی۔ یکدم دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ تولیہ لپیٹے ہوئے ہیں اور نیم بے ہوشی کی حالت میں لکڑی کی چوکی پر گرے ہوئے ہیں میں نے بھاگ کر والد صاحب اور بڑے بھائی کو بتایا تو وہ ملازم کو لے کر جلدی سے آئے اور اُن کو اٹھا کر کمرے میں لے گئے۔

بعد میں پتہ چلا کہ وہ کوئلوں کے دھوئیں کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نیک بندے سے اتنا عظیم کام لینا تھا اسی لئے ان کو اس وقت کے حادثے سے بچا لیا۔

(اس وقت مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن لکھ رہے تھے)۔

مولانا کو بکرے کے گوشت کا پلاؤ اور کوفتے بہت پسند تھے۔ میٹھے میں فیرنی بہت پسند تھی۔

مولانا کی خوش مزاجی اور بذلہ سنجی کا اندازہ آپ اس واقعہ سے لگائیے۔

مولانا ابا جان کے ساتھ عصر کی نماز کے بعد لان میں بیٹھا کرتے تھے اور اسی طرح کچھ اور بزرگ اور بچے بھی اس محفل میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ہمارے محلے کی ایک محترمہ اکثر اپنی ساس کے ساتھ جھگڑا کیا کرتی تھیں ان کے جھگڑے کی آوازیں تقریباً ہر روز اُسی وقت آتی تھیں جب ہم باہر بیٹھے ہوتے تھے۔

ایک دن اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ مولانا کہنے لگے۔

''چوہدری صاحب پتہ کروائیں کہ محترمہ کی طبیعت تو ٹھیک ہے آج اُن کی آواز نہیں آرہی''۔ ابا جان بہت حیران ہوئے کہ مولانا کس کے متعلق بات کررہے ہیں۔ جب مولانا نے ساس بہو کی لڑائی کا حوالہ دیا تو سب بے اختیار ہنسنے لگے۔

ساری زندگی ہم جب بھی مولانا کو ملنے لاہور جاتے تو وہ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود تمام کام چھوڑ کر ہمیں ملاقات کا وقت دیتے تھے۔

ان کے صاحبزادے دو تین دفعہ گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے ہمارے پاس مراد پور آئے۔ ان کے ساتھ مل کر ہم سب خوب مزہ کرتے تھے۔ اگرچہ وہ عمر میں ہم سے چھوٹے تھے لیکن طرح طرح کے کھیلوں سے ہم دن بھر لطف اندوز ہوتے تھے۔

مولانا محترم کی ایک اور بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ ایک بے ریا انسان تھے۔ ایک اور مرتبہ آپ سیالکوٹ تشریف لائے تو آپ کو ایک ایسے مکان میں ٹھہرایا گیا جس سے دو سو گز کے فاصلے پر سڑک کے پار مسجد تھی۔ مولانا کی صحت ٹھیک نہیں تھی وہ نماز اپنی رہائش گاہ پر ہی پڑھتے تھے۔ کارکنوں نے عرض کیا کہ مولانا مسجد قریب ہی ہے اور اس مسجد کے خطیب تو پہلے ہی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اگر آپ نے مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھی تو یہ ہمارا ناک میں دم کردیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں بیمار بھی ہوں اور مسافر بھی۔ شریعت نے مجھے مسجد جانے کا مکلّف نہیں کیا ہے۔ مجھے نماز خدا کی پڑھنی ہے کسی انسان کو دکھانے کے لئے نہیں۔

ابا جان (چوہدری محمد اکبر) بتایا کرتے تھے کہ مجھے اسلام کی طرف راغب و متوجہ کرنے میں علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتابوں کا بڑا دخل ہے۔ پھر علامہ اقبالؒ کی شاعری کا اور اب آخر میں مولانا مودودیؒ کی تحریروں کا علامہ شبلی کی کتابوں نے اسلامی تاریخ کا ذوق پیدا کیا۔ علامہ اقبال کے شعر نے دینی حمیت اور جذبے کو اُجاگر کیا اور مولانا کی تحریروں نے عقل و دلیل کے زور سے اسلام کی ابدی صداقتوں کو ذہن میں جاگزیں کیا۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ میں نے ریاضی اور جیومیٹری پڑھی اور پڑھائی نہ ہوتی تو مولانا کے طرز استدلال کو ذہن کی گہرائیوں میں نہ اُتار سکتا۔ جس طرح جیومیٹری کے ایک مسئلے میں ایک بات سے دوسری اور دوسری سے تیسری بات نکلتی اور پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور ذہن پورے اطمینان سے ہر اگلی بات قبول کرتا جاتا ہے۔ وہی حال مولانا کی تحریروں کا ہے۔ جو شخص ان کی کسی تحریر کو کھلے دل و دماغ سے ایک بار پڑھ لے پھر بن قبول کئے اس کے لئے راہِ فرار نہیں رہتی۔

اگست 1941ء میں جب لاہور میں جماعت اسلامی کا تاسیسی اجلاس ہوا تو وہاں سے واپس آکر ابا جان نے ہمیں بتایا کہ کس طرح تمام حضرات نے باری باری کلمۂ شہادت پڑھ کر تجدیدِ ایمان کی اور عہد کیا کہ وہ نہ صرف اپنی زندگیوں میں اسلام نافذ کریں گے بلکہ اپنے گردوپیش میں بھی اسلامی تعلیمات کو رائج کرنے کی دل و جان سے کوشش کریں گے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ کس طرح سب ساتھی عاجزی اور انکسار کی تصویر بنے اپنے رب سے تحریک اسلامی کی کامیابی کی دعائیں کرتے تھے۔

غرض مولاناؒ محترم سے وابستہ ہر بات اور یادِ ایمان میں اضافے کا باعث ہے اور آج اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی اُن کی سیاسی اور دینی بصیرت بے مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے کہ ان کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کریں۔ آمین

☆☆☆

ڈاکٹر شگفتہ نقوی

بڑھاپا اور ہم

اچھی ساس بنئے

اب خاص طور پر ہمارے گھروں میں ساس اور بہو کے درمیان جو سرد جنگ جاری رہتی ہے اس کی طرف آتے ہیں۔

حقیقت اتنی سنگین نہیں ہے جتنا معاشرے نے اسے بنا دیا ہے کہ ہر کہانی، ڈرامے اور فلم میں، بہو بے حد مظلوم ہوتی ہے یا ساس۔

تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ دونوں ہی اطراف سے افراط و تفریط کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

خدا تو ہے نہ میرا عشق فرشتوں جیسا
دنوں انساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں

ہم دوسرے کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس کی شخصیت کے جو کونے ہمیں چبھ رہے ہیں وہ گول ہو جائیں ہمیں تکلیف نہ دیں لیکن ہم خود بدلنا نہیں چاہتے۔

سب سے پہلے آپ ساس ہیں یا بہو..... اس بات کو تسلیم کریں اور دل سے وعدہ کریں کہ اپنے آپ کو بدلیں گی۔ اب:

ساس کی خدمت میں عرض ہے۔

کہ ''اس لڑکی'' بہو کو آپ نے تلاش کیا، پسند کیا، بیاہ کر لائیں، صدقے واری..... بری سلامی خوشی مبارکبادیاں لاڈ مراد نخرے سبھی کچھ اٹھائے۔

آپ کے بیٹے کا گھر بسا۔ نسل آگے چلی، گھر میں رونق ہوگئی۔ آپ کو ایک دوست میسر آ گئی۔ پھر تفریق کیسی۔

کیا کہا.....اس کی عادتیں ناپسندیدہ ہیں۔

گھر صاف نہیں رکھتی۔ زبان چلاتی ہے۔ وقت پہ کھانا نہیں پکاتی۔ مجھے کمپنی نہیں دیتی۔ منہ پھلائے رہتی ہے۔ نت میکے چلی جاتی ہے۔ فضول خرچ ہے، بدمزاج ہے۔ اچھے لباس زیب تن کرے تو گلہ ہوتا ہے کہ ہر وقت دلہن بنی رہتی ہے۔ نہ پہنے تو کہا جائے گا ہر وقت سر جھاڑ منہ پہاڑ۔ جواب دیتی ہے۔ کھانا پکانا نہیں آتا۔ بچوں کا خیال نہیں رکھتی۔ صبح دیر سے اٹھتی ہے۔ آپ کا بیٹا بغیر ناشتے کے دفتر چلا جاتا ہے۔ ٹی وی زیادہ دیر تک دیکھتی رہتی ہے۔ برتن گندے، گھر گندہ.....کام پڑا رہتا ہے۔ ہر ہفتے میکے جانے کی تیاری۔

فضول خرچ ہے۔ جب بازار جائے گی دو چار سوٹ اٹھا لائے گی۔ اس کے میکے والے ہر روز آن ٹپکتے ہیں بس ان کی خاطر داری میں لگی رہتی ہے۔ آپ کی پروا نہیں کرتی۔

آپ مرچیں نہیں کھا سکتیں وہ دبا کے مرچیں ڈالتی ہے۔

یہ اور اس طرح کی بہت سی شکایات جو میں نے سنی ہیں یا میرے علم میں آئی ہیں۔ ان کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے۔

چند باتیں آپ نوٹ کر لیں۔

☆ آپ کی بہو کم عمر ہے۔ اس کے پاس زندگی کا وہ تجربہ نہیں ہے جو آپ کے پاس ہے۔

☆ وہ اپنا گھر ماحول اور سارا خاندان چھوڑ کر ایک نئے خاندان کا حصہ بنی ہے۔ اس کو ایڈجسٹ ہونے میں وقت لگے گا۔ آپ پہلے ان سے بہت لمبی چوڑی توقعات وابستہ نہ کر لیں۔

☆ اگر آپ کے بیٹے کا سلوک، رویہ اس کے ساتھ احترام، محبت، نرمی والا ہے تو جو محبت اس کا شوہر اسے دے گا وہ پلٹ کر وہی کچھ آپ میں بانٹے گی۔ اس لیے اس چیز کا دارومدار اس بات پر ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی تربیت کیسے کی ہے۔

☆ بڑے ہونے کے ناطے آپ پہلے مہربانی، نرمی، محبت، احترام اور سکون اس کو مہیا کریں پھر توقع رکھیں۔

اگران ساری باتوں کے باوجود کچھ شکایات ہیں تو ان کا حل ڈھونڈنے کے لیے بیٹے کو شریکِ مشورہ کریں۔

☆ جب تک مسائل جوں کے توں ہیں آپ خود کو بدل لیں۔

☆ بہو کے معاملات میں دخل نہ دیں۔

اس کو کھانے پینے پہننے سونے تفریح کرنے فون کرنے کسی کو گھر دعوت دینے کی آزادی دیں۔

☆ میاں بیوی دونوں سیر کرنے جائیں، کسی دوست کے گھر جائیں یا باہر کھانا کھانے جائیں تو ان کو خوشدلی سے جانے دیں۔ یاد کریں یہ وقت کبھی آپ کا بھی تھا۔ آپ کو نفیس لباس پہن کر اپنے شوہر کے ہمراہ جانا کتنا اچھا لگتا تھا۔ اب یہ خوشیاں آپ کی اولاد کا حق ہے۔ آپ کو خوش ہونا چاہیے دعا دینی چاہیے اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

یہ اولاد ہی نہ ہوتی تو یہ گھر کیسا سُونا، ویران اور خاموش ہوتا۔ یا آپ بیٹے کا سہرا دیکھنے تک زندہ ہی نہ رہتیں۔ یہ تو اس کی عنایت ہے، اس کا کرم ہے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ ہم جو خواہش کریں وہ ہمیں مل جائے۔

☆ اگر بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا ہے تو اُن سے پیار کریں، ان کا خیال رکھیں۔ بیٹیاں ہوگئی ہیں تو کبھی طعنہ نہ دیں۔ بیٹا یا بیٹی کا سبب مرد ہوتا ہے عورت نہیں۔

☆ اگر ابھی اولاد نہیں ہوئی تو دو ماہ بعد اس کو لے کر ڈاکٹر کے پاس نہ چل دیں۔ میاں بیوی کو انڈر سٹینڈ کرنے کے لیے کچھ وقت ضرور دیں۔ دعا کریں، انتظار کریں یہ شادی کے بعد کے تھوڑے سے دن ہوتے ہیں کہ وہ پہنے، سنورے سجے بنے۔ ورنہ کپڑے اور زیور صندوق میں بند رہ جاتے ہیں۔ وہ ماں بنتی ہے تو سائز بدل جاتا ہے۔ پھر اوپر تلے کے بچے ہوں تو بے چاری کی مت ماری جاتی ہے۔

☆ آپ اس کی ماں بن جائیں۔ شفقت کریں، تسلی دیں، مدد کریں، مشورہ دیں۔ اس سے غلطی ہو جائے، وہ کوئی پیغام دینا بھول جائے، دودھ ابل کر گر جائے، روٹی توے پر جل جائے، استری کرتے ہوئے کپڑا جل جائے، کچھ کھو جائے، سالن میں نمک زیادہ ہو، گوشت نہ گلا ہو.....تو ملامت نہ کریں، شرمندہ نہ کریں، غصہ نہ کریں، نقصان تو ہو چکا اب اس کی تلافی تو نہیں ہوسکتی۔ آپ باہمی تعلقات خراب نہ کریں کیونکہ اس سے گھر کا ماحول خراب ہوگا۔ سکون اور خوشی غارت ہو جائے گی۔ باہمی اعتماد کو زک پہنچے گی۔ تعلقات میں دراڑ آ جائے گی۔ ان کو بچائیں۔

☆ بیٹے سے شکایت نہ لگائیں۔ ذکر ہی نہ کریں، پردہ پوشی کریں۔ آپ کا یہ عمل آپ کو اس کی نظروں میں بلند کر دے گا۔ (حالانکہ اس کے بالکل الٹ ہوتا ہے)

☆ گھر کے کاموں میں اس کی مدد کریں۔ وہ مشورہ مانگے تو ضرور دیں۔ اس کی سہیلی آ جائے تو دونوں کو باتیں کرنے دیں اور میزبانی کا فرض آپ خود نبھائیں۔ اس سے آنے والے پر آپ کے خاندان کا مثبت اثر پڑے گا اور بہو کے دل میں آپ جگہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

☆ اس کی سالگرہ ہو یا اس کی شادی کی سالگرہ ہو اسے تحفہ ضرور دیں چاہے وہ ایک پھول ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کا یہ عمل اسے یاد دلائے گا کہ وہ آپ کے لیے کتنی اہم ہے۔

☆ اگر وہ کسی بات پر زور سے بولے یا غصہ کرے تو آپ چپ ہو جائیں کیونکہ غصے میں عقل منہ ڈھانپ لیتی ہے۔ بندے کو سمجھ نہیں آتی کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ بعد میں مناسب وقت پر سمجھا دیں۔ آپ عمر تجربے اور رشتے میں اس سے بڑی ہیں۔ آپ کا صبر، ظرف، تحمل اور عمل بھی بڑا ہونا چاہیے۔ ہر معاملے میں آپ نے ایک روشن مثال پورے خاندان کے سامنے قائم رکھنی ہے۔ اس لیے کہ گھر کا ماحول خوشگوار رہے، باہمی محبت و احترام میں اضافہ ہو اور باقی خاندان کے لوگوں تک یہ فیض پہنچے کہ وہ بھی ایسا اچھا عمل کرنے والے بن جائیں۔

☆ معاف کر دیں۔ گھر میں لڑائی، جھگڑا، اختلاف رائے، ایک دوسرے کی شکایت کرنا ماحول کو بے سکون کر دے گا اور اس عمر میں اس کے منفی اثرات آپ پر زیادہ ہوں گے۔ بچے الگ ڈسٹرب ہوں گے۔ انھیں بلکہ شوہر کو اپنی ماں سے بھی محبت ہوتی ہے اور بیوی سے بھی پیار ہوتا ہے۔ ان دونوں میں جھگڑا ہو تو اس کے لیے تکلیف دہ صورتِ حال ہوتی ہے آپ اسے کسی آزمائش میں نہ ڈالیں۔

☆ اگر کوئی غلط فہمی ہو تو سب کے سامنے اس کا اظہار کرنے کا رواج ڈالیں تا کہ شیطان کو فساد ڈالنے کا موقع نہ ملے اور اسی وقت دل صاف ہو جائیں۔

☆ اس کے خاندان کو برا بھلا نہ کہیں۔

اس کے جہیز کی چیزوں میں خامی نہ نکالیں۔

اس کی پسند پر اعتراض نہ کریں۔

وہ جو چیز خرید کر لائے اگر واقعی اچھی ہے تو اس کی تعریف کریں۔

ہاں اگر فضول خرچی ہے تو آہستہ سے سمجھا دیں۔

بیٹے کو کہیں اس کو باقاعدہ جیب خرچ دے۔

اسے خرچ کی آزادی دیں۔ پسند کی خریداری کی آزادی دیں۔ پسند کا لباس اسے پہننے دیں اس پر قدغن نہ لگائیں۔ یہ چیز اس کے دل میں آپ کے لیے نفرت کے جذبات پیدا کرے گی اور آپ سوچیں گی کہ اس کا سلوک ایسا کیوں ہے۔

☆ اگر آپ کا بیٹا اس کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے تو وہ کبھی دل سے آپ کی عزت نہیں کر سکتی۔ وہ سمجھ لیتی ہے کہ اس ناروا سلوک کے پیچھے ماں کا ہاتھ ہے اس لیے ہمیشہ بیٹے کو یاد دلاتی رہیں کہ اللہ کا حکم ہے عورتوں سے نیک سلوک کرو۔

☆ باغبانی کریں، تلاوت کریں، محلے کے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیں۔ یہ نیکی ہے مشغلہ بھی ہے تنہائی کا وقت اچھا کٹ جاتا ہے۔

☆ کوئی فنکشن، خریداری، سفر کسی کی شادی میں شرکت، کوئی بڑا فیصلہ ہو تو اسے شریک مشورہ رکھیں۔ اس سے اس کو زندگی میں تحفظ اور اعتماد حاصل ہوگا۔ اسے فیصلے کرنے کا سلیقہ اور طریقہ آ جائے گا۔

☆ سیکھنے اور سکھانے کا عمل تمام عمر جاری رہتا ہے بس ہم اس کا اعتراف نہیں کرتے۔ سوچتے ہیں ہم اتنے بڑے ہو گئے بالوں میں چاندی آ گئی اب تو ہمیں جینا آ گیا ہے۔ ہماری دانش مکمل ہو گئی۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ جو ہمیں معلوم ہے وہ بہت کم ہے اور نامعلوم بہت زیادہ ہے۔

کائنات بہت بڑی ہے اور اسرار و علوم سے بھری پڑی ہے۔ ہم تو اس کے ایک کونے کے ایک نہایت ہی چھوٹے سے حصے پر ایک ذرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ رب دو عالم نے اس خاک کے ذرے کو اپنا خلیفہ ہونے کا شرف عطا کر کے اسے باعزت بنا دیا ہے ورنہ ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔ اپنی غلطی سمجھ میں آ جائے تو مان لیں، اعتراف کر لیں اور معافی مانگنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

☆ اپنی بات منوانے پر کبھی اصرار نہ کریں۔ ضد اچھی چیز نہیں ہوتی۔ لوگ کہتے ہیں بڈھے بدمزاج ضدی چڑچڑے اور خبطی ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو اِن سب القابات سے بچانا ہے۔

☆ آپ گھر میں ایسے رہیں کہ گھر والے آپ کی قربت کی آرزو کریں، آپ کی خدمت کو سعادت سمجھیں۔ مشورہ کریں، آپ کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں، آپ کی قدر کریں، عزت کریں، بات مانیں اور آپ مر جائیں تو آپ کا نیک سلوک یاد کر کے روئیں۔ یہ نہ ہو کہ ہمارے مر جانے کے بعد یہ سمجھا جائے..... خس کم جہاں پاک!

یہ سب کچھ آپ کی اعلیٰ ظرفی، وسیع القلبی، درگزر، نرمی، عزت اور محبت سے ممکن ہے۔ آزما کر دیکھ لیں۔ فارغ نہ رہیں۔ کوئی نہ کوئی مصروفیت نکال لیں۔ صحت مند رہنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔

عتیق الرحمٰن قریشی

پریشانی اور اس کا تدارک

چھے مفید اصول، جو پریشانی کے وقت آپ کی بے حد مدد کریں گے

پریشانی کے لمحات، مسرت کے لمحات سے قدرے طویل اور زیادہ سخت ہوتے ہیں عرب کا ایک شاعر کہتا ہے

تمتع بایام السرور فانها

قصار، وایام الهموم طوال

''خوشی کے ایام سے فائدہ اٹھایئے کیونکہ وہ بڑے مختصر اور ایام غم بڑے طویل ہوتے ہیں۔''

زندگی جب عام معمول پر ہو تو رفتارِ وقت کا احساس نہیں ہوتا لیکن جب کوئی حادثہ زندگی کے پرسکون دریا کی سطح پر ارتعاش پیدا کر دے تب وقت کی رفتار کا کچھ اندازہ ہونے لگتا ہے۔ اگر پیش آنے والا واقعہ باعث مسرت ہے تو دن گھنٹوں اور گھنٹے منٹوں کے حساب سے گزرتے محسوس ہوتے ہیں اس کے برعکس اگر وہ حادثہ غم و تکلیف کی نوعیت کا ہو تو وقت کی رفتار بہت سست معلوم ہوتی ہے۔

صد شکر کہ ہم مسلمان ہیں اگر ایسی مصیبت ہم پر آ بھی جائے جو ہمیں مضطرب کر کے رکھ دے تو اللہ کا ذکر اور اس کی طرف رجوع کر کے اپنے آپ کو اطمینان دلوا سکتے ہیں۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جن کا اپنے رب پہ کوئی یقین نہیں اور وہ عموماً ایسے حالات میں مایوسی کا شکار ہو کر خودکشی کا ارتکاب کر کے اپنی زندگی کا چراغ گل کر دیتے ہیں۔

اگر آپ میں سے کوئی بھی ایسے حالات سے دوچار ہو جائے تو اس سے کیسے چھٹکارا حاصل کرے۔ ذیل کی سطور میں اسی سلسلے میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں۔

(۱) اگر آپ کو کسی ایسے مسئلے نے پریشان کر کے رکھ دیا ہو جس کا تعلق آپ کی گھریلو زندگی سے ہو تو آپ کی حتی الوسع کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اُسے اپنے تک ہی محدود رکھیں۔ لوگوں میں اس بات کا ڈھنڈورا مت پیٹیے۔ شاید کوئی بعد میں آپ کا راز افشا کر کے آپ کو اس سے بڑی مشکل میں مبتلا کر ڈالے۔ لوگوں پر اتنا ہی بوجھ ڈالنا چاہیے جتنا وہ اٹھا سکتے ہوں۔ عربی کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

''جب آدمی کا سینہ اپنے ہی راز کے لیے تنگ پڑ جائے تو اس شخص کا سینہ جسے وہ یہ راز سپرد کرے زیادہ تنگ ہوگا۔''

(۲) پریشانی کے دوران اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھنے کی کوشش کریں۔ کچھ عرصہ پہلے ڈاکٹر عائض القرنی کی کتاب ''لاتحزن'' کا مطالعہ کر رہا تھا۔ دورانِ مطالعہ ایک دلچسپ بات نظر سے گزری۔ فاضل مصنف نے لکھا تھا کہ

''پرانے وقتوں میں جب کسی شخص کو عشق کا روگ لگ جاتا تو بطور علاج اُسے کھیتی باڑی کا کام حوالے کر دیا جاتا۔ جس کی وجہ سے وہ دن بھر کھیتوں میں کام میں مصروف رہتا اور رات کو تھکاوٹ کی وجہ سے گہری نیند سو جاتا۔ یوں اُسے پریشان رہنے اور سوچنے کا بہت کم موقع ملتا۔''

اگر انسان مصروف رہے تو غم اور پریشانیاں اُس کے قریب نہیں آتیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ ایسے آدمی کو جو بیکار بیٹھا رہتا اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا کرتے تھے چنانچہ علامہ ابن الجوزیؒ نے ''تلبیس ابلیس'' کتاب میں یہ روایت نقل کی ہے۔

''محمد بن عاصم کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمرؓ کسی نوجوان کو دیکھتے اور وہ انھیں پسند آ جاتا، تو پوچھتے کہ کیا اس کا کوئی کام ہے؟ اگر کہا جاتا کہ نہیں تو وہ ان کی نظروں سے گر جاتا۔''

حقیقت یہ ہے کہ بے کاری بذاتِ خود ایک انتہائی فضول

عادت ہے اور خاص طور پر پریشانی کے لمحات میں بیکار پڑے رہنا کسی بھی خطرے سے خالی نہیں ۔ یہ انسان کی تمام بہترین صلاحیتوں کو کھا جاتی ہے۔ دورانِ جنگ چرچل اٹھارہ گھنٹے کام کیا کرتے تھے۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کو تو بہت سی فکریں لاحق ہوں گی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ''مجھے سانس لینے کی فرصت نہیں فکر کرنے کے لیے وقت کہاں۔''

مصروفیت کی وجہ سے پریشانی کیوں کم ہو جاتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا دماغ ایک وقت میں ایک سے زیادہ معاملات پر غور نہیں کر سکتا۔ یہ نفسیات کا اصول ہے مثلاً آپ امریکہ کے مجسمہ آزادی کے بارے میں سوچیں اور ساتھ ہی یہ بھی سوچیں کہ کل آپ کو کیا کرنا ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ دونوں باتیں یکے بعد دیگرے تو آپ کے ذہن میں آ سکتی ہیں لیکن ایک ہی وقت میں آپ کے ذہن میں نہیں آ سکتیں۔ بالکل یہی حال جذبات کا بھی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم کسی بات سے خوش ہوں اور اسی وقت کسی دوسری بات سے غمگین بھی ہوں۔

(۳) ناگزیر حالات سے سمجھوتہ کیجیے۔ میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کا بایاں ہاتھ کلائی سے کٹا ہوا تھا۔ میں نے ازراہِ ہمدردی اُس سے پوچھا ''تمھیں تو کافی مشکلات پیش آتی ہوں گی'' کہنے لگا ''نہیں بالکل بھی نہیں۔ چونکہ میں نے شادی نہیں کی۔ اس لیے کبھی کبھار رسوئی میں دھاگہ ڈالتے ہوئے اس کا خیال آ جاتا ہے۔'' حیرت ہے کہ ہم حالات کے ساتھ کس قدر جلد سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ جب ہم انھیں بدل نہیں سکتے تو ان پر رضامند ہو جاتے ہیں اور انھیں بھول جاتے ہیں۔ مشہور فلسفی ولیم جیمز نے کہا ہے کہ ''جو چیز جس طرح ہے اسے بخوشی قبول کر لو۔ بدقسمتی کے نتائج پر قابو پانے کا پہلا زینہ یہ ہے کہ جو ہو چکا ہے اس پر رضامند ہو جاؤ۔'' میرا مقصد ان باتوں سے ہرگز یہ نہیں کہ آپ ہر پریشانی، ہر مصیبت کے آگے گردن جھکا دیں اور اسے فوراً تقدیر کا لکھا ہوا سمجھ بیٹھیں بلکہ جب تک آپ کو کامیابی کی ذرا سی بھی امید ہو اس کے حصول کے لیے سرتوڑ کوشش کیجیے۔ لیکن جب آپ سمجھ جائیں کہ آپ حالات کو تبدیل نہیں کر سکتے تو پھر میری آپ سے یہی درخواست ہوگی کہ خدارا عقل سے کام لیں جو چیز ممکن نہیں اس کے لیے آپ اپنے آپ کو ہلکان مت کیجیے گا۔ اس سلسلے میں آپ اللہ سے یہ دعا مانگیں کہ

''اے اللہ! مجھے سکون عطا فرما کہ میں جن چیزوں کو بدل نہیں سکتا ان کو قبول کر لوں اور جرأت عطا فرما کہ جن چیزوں کو بدل سکتا ہوں ان کو بدل دوں اور عقل عطا فرما کہ دونوں کے درمیان تمیز کر سکوں۔''

(۴) مثبت سوچ اپنائیے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ زندگی بسر کرتے ہوئے ہر انسان کو رنج و الم، نشیب و فراز غرض ہر قسم کے حالات سے سابقہ پڑتا ہے لیکن میں پرزور طریقے سے آپ کو تلقین کرتا ہوں کہ زندگی میں آپ کا طرزِ عمل منفی نہیں مثبت ہونا چاہیے۔ اگر آپ خوشی کے خیالات رکھتے ہیں تو آپ خوش رہیں گے اگر پریشانی کے خیالات پر آپ توجہ دیں گے تو پریشان اور غمگین رہیں گے۔ خوف کے خیالات پر توجہ دیں گے تو خوفزدہ رہیں گے۔

مشہور ماہر نفسیات ڈیل کارنیگی سے ریڈیو پر کسی نے سوال کیا کہ آپ نے اپنی زندگی میں سب سے بڑا سبق کیا حاصل کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا۔

''مجھے زندگی میں جو سب سے بڑا سبق ملا وہ یہ تھا کہ انسان کی زندگی میں اُس کے خیالات بڑی اہمیت رکھتے ہیں اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کیا سوچتے ہیں تو مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ کیا ہیں۔ کیونکہ ہمارا وجود ہمارے خیالات کی پیداوار ہے۔''

یاد رکھیے اگر آپ سچی، دیانت دارانہ اور اچھی باتوں یعنی مثبت باتوں کے بارے میں سوچیں گے تو آپ کی ذہنی کیفیت مثبت ہو جائے گی۔ روزانہ مثبت خیالات اور مثبت رویوں کے مطابق عمل کریں یہاں تک کہ وہ آپ کی عادت بن جائے۔ یقین جانیے آپ اپنے خیالات بدلنے سے ہی اپنی زندگی بدل سکتے ہیں۔

(۵) کیا پریشانی کے کچھ مثبت پہلو بھی ہیں؟ جی ہاں کیوں نہیں۔ جو لوگ رنج و الم سے بچتے ہیں وہ نہ کچھ سیکھ سکتے ہیں نہ محسوس کر سکتے ہیں۔ نہ تبدیل ہوتے ہیں نہ ترقی کرتے ہیں، نہ محبت کرتے ہیں

اور نہ ہی جیتے ہیں۔اسی پریشانی کی وجہ سے ہمارے اندر آگے بڑھنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے جو کہ آپ کو ناکامی پر غلبہ پانے کے قابل بنا دیتی ہے۔خدارا بتایئے اگر شاعر کسی پریشانی وصدمے کا شکار نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی ایسے اشعار نہ کہتا جس کے حرف حرف سے اداسی اور پریشانی ٹپک رہی ہوتی ہے۔یہ متمیم بن نویرہ ہے۔عربی ادب کی تاریخ نے اس جیسا مرثیہ خواں آج تک پیدا نہیں کیا۔ان کی لافانی شاعری آج بھی عربی ادب میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے ان کے بھائی مالکؓ بن نویرہ بڑے بہادر انسان تھے۔نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔جب تک مالک زندہ رہے متمیم کو نہ گھر کی کوئی فکر تھی نہ معاش کی، نہ ہی شاعری کا کوئی خاص ذوق تھا لیکن مالکؓ بن نویرہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے۔مالکؓ کے جانے کے بعد متمیم نے باقی زندگی بھائی کے غم میں مرثیوں کے لیے وقف کر دی۔اُن کو اپنے بھائی سے محبت نہیں عشق تھا۔پوری عمر خود بھی روتے رہے اور زمانے کو بھی رلاتے رہے۔اُن سے کسی نے پوچھا اپنے بھائی پر اتنے غمگین کیوں ہیں؟ کہنے لگے ''میں ایک آنکھ سے معذور ہو گیا تھا لیکن بھائی کی نازبرداریوں کی وجہ سے بیس سال تک اس سے آنسو نہ بہے لیکن جب سے میرا بھائی گیا ہے میری آنکھ سے آنسو الگ نہیں ہوئے۔''

حقیقت یہ ہے کہ مالکؓ کے غم نے متمیم سے وہ دردناک مرثیے کہلوائے ہیں کہ جنھیں آج بھی پڑھ کر آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور دل غمگین ہو جاتا ہے۔ذرا پڑھیے اور دیکھیے کہ کس قیامت کے عالم میں انھوں نے یہ شعر کہے ہیں۔

''قبروں کے پاس میری آنکھوں سے اشکہائے غم کا سیلاب رواں دیکھ۔میرے رفیق نے مجھے ملامت کی۔کہنے لگے یہ کیا بات ہے صرف مالک کی وجہ سے تو ہر قبر کو دیکھ کر رونے لگتا ہے۔میں نے کہا درحقیقت ایک غم کا منظر دوسرے غم کی یاد تازہ کر دیتا ہے لہٰذا مجھے رونے دیں میرے لیے تو یہ تمام قبریں مالک کی قبریں بن گئی ہیں۔''

علامہ اقبالؒ کی نظم ''مسجد قرطبہ'' اٹھا کر پڑھیے۔آپ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ انسان کی تحریر پر جذبات کا کتنا گہرا اثر ہوتا ہے۔مسجد قرطبہ کی حالتِ زار دیکھ کر جانے غم نصیب اقبالؒ کا کتنا لہو پانی ہوا ہوگا۔اس لمحہ عالیہ میں شاعر کو جو رفعت نصیب ہوئی اس کی سرمستی ''مسجد قرطبہ'' کے حرف حرف میں لہو بن کر دوڑ رہی ہے۔نظم کے انگ انگ میں ایک دردمند دل دھڑک رہا ہے۔چشم زدن میں حیرت ناک عروج اور حسرت ناک زوال کی طویل صدیاں نظروں میں گھوم گئیں۔اس کا دل رو رہا تھا۔

آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

شاعر کی عالی ہمتی ماضی میں استقبال کی تصویر دیکھتی ہے اور سوزِ عشق سے اپنا چراغ جلاتی ہے اس کی چشم بصیرت دیکھ رہی ہے کہ۔

روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب
رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں

ہیلن کیلر نے جو شاندار کارنامے سرانجام دیے ان کی وجہ یہی تھی کہ وہ اندھی اور بہری تھی۔ٹالسٹائی کی زندگی میں اگر مصیبتیں نہ آتیں تو وہ لافانی ناول نگار نہ بن سکتا۔اس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جنھیں پڑھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی کامیابی کے پیچھے اکثر اوقات ناکامی و پریشانی کا ہاتھ ہوتا ہے تو اس سے پہلے کہ پریشانی اور فکر کی عادت آپ کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر کے رکھ دے آپ اس پریشانی سے مثبت فائدہ اٹھایئے۔

(۲) آخر میں احادیث کی روشنی میں چند دعائیں بتانا چاہتا ہوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مواقع پہ پڑھا کرتے تھے اور میرا اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ ایسے مواقع پر ان اوراد کا اہتمام کرنے سے انسان کی ساری پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں اور دل انتہائی سکون محسوس کرتا ہے۔

- صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ جب کسی رنج و غم میں مبتلا ہوتے تو اللہ کے حضور یہ دعا کرتے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمُ،لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ عرشِ عظیم کا رب ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ آسمان و زمین کا رب ہے عرش کریم کا رب ہے۔''

● ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ جب کسی بے چینی اور اضطراب والم میں گھر جاتے تو یہ استغاثہ آپؐ کی زبان پر جاری ہو جاتا۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ

''اے زندہ و جاوید ہستی! اے کائنات کے منتظم تیری رحمت سے فریاد کرتا ہوں۔''

● ترمذی ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث مذکور ہے کہ نبی کریمؐ کو جب کوئی فکر دامن گیر ہو جاتی تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرماتے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم

''پاک اور بے عیب ہے خدائے برتر و بزرگ۔''

● سنن ابی داؤد میں ہے حضرت ابو بکرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا، مصیبت زدہ اور آشفتہ حال کی التجائیں یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو، فَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ وَأَصْلِحْ شَأْنِيْ كُلَّهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ

''الٰہی! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں تو مجھے لمحہ بھر کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر، تو خود ہی میرے تمام کام درست فرما دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے علامہ ابن القیمؒ کی کتاب ''الوابل الصیب من الکلم الطیب'' کا اردو ترجمہ ''اذکار مسنونہ'' کے نام سے۔ اس کے ساتھ ساتھ مولانا محمد یوسف اصلاحیؒ کی کتاب ''آدابِ زندگی'' میں ''رنج و غم کے آداب'' کا مطالعہ بھی انتہائی مفید رہے گا۔

چہرے کی جلد کو صحت مند بنایئے

اپنے چہرے کو کیل مہاسوں اور داغ دھبوں سے بچایئے

ہر کوئی اپنے چہرے کو دلکش اور شاداب دیکھنا چاہتا ہے ۔ چہرے کی جلد کو تر و تازہ ، نرم و ملائم بنانے کے لئے آئے دن نت نئ کریموں کے اشتہارات دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ان کریموں سے کسی کو فائدہ ہوتا ہے یا نہیں مگر گھریلو ٹوٹکوں اور احتیاطی تدابیر سے ہم بہت آسانی سے اپنے چہرے کی جلد کو صحت مند بنا سکتے ہیں ۔

ٹین ایجر لڑکیوں کو زیادہ مسئلہ چہرے کے کیل مہاسوں کا ہوتا ہے اور بعد میں چہرے پر داغ دھبے پڑ جانے کا اندیشہ رہتا ہے ۔ان بچیوں کے لئے چند احتیاطی تدابیر اور علاج پیش خدمت ہیں ۔

احتیاطی تدابیر

چہرے پر دانوں کا نکلنا چہرے کے مسام کھل جانے سے ہوتا ہے ۔اس کیلئے سب سے پہلے دن میں تین چار مرتبہ ٹھنڈے پانی سے چہرے پر چھینٹے ماریں ۔چکنی جلد پر دانے جلد نمودار ہوتے ہیں اس لئے صبح بیسن سے منہ دھوئیں بیسن کو جلد پر رگڑیں مت اس سے دانے پھوٹنے کا اندیشہ ہے ۔

خوب پانی پئیں ۔یومیہ کم سے کم آٹھ سے بارہ گلاس تک پانی ضرور پئیں نہار منہ دو سے تین گلاس پانی پئیں ۔

☆ تازہ پھل اور سبزیاں زیادہ استعمال کریں ۔ دن میں کم از کم پانچ بار پھل اور سبزیوں کو اپنی خوراک کا حصہ بنائیں مثلاً

ناشتے میں ایک سیب ، دس بجے کسی موسمی پھل کا جوس ۔

دوپہر کے کھانے میں سلاد لیں جیسے سلاد کے پتے ، گاجر مولی وغیرہ ۔کھانے کے کچھ دیر بعد کوئی بھی موسمی پھل جیسے کینو ، کیلا ، خربوزہ وغیرہ ۔رات کے کھانے میں پکی ہوئی سبزی ضرور شامل کریں ۔

☆ جہاں تک ممکن ہو دھوپ میں باہر نکلنے سے بچیں ۔سن اسکرین کے بغیر ہرگز دھوپ میں نہ نکلیں ۔

☆ پابندی سے ورزش کریں اس سے جلد کے مسامات کو آکسیجن ملے گی ۔جلد صحت منداور چمک دار نظر آئے گی ۔

☆ چینی کے زیادہ استعمال کو ترک کر دیں کیونکہ میٹھے کا استعمال چہرے پر دانوں کا موجب بنتا ہے ۔

☆ جلد کی صفائی کے لئے عمدہ قسم کا صابن یا کلینزر استعمال کریں ۔

☆ وٹامن بی فائیو (B5) اور زنک سپلیمنٹس اگر پابندی سے استعمال کیے جائیں تو مہاسوں سے محفوظ رکھنے میں معاون ہوتے ہیں ۔

☆ چہرے پر بلینڈ ڈکھیرے کا استعمال کریں اور تیس منٹ کے بعد اسے دھولیں ۔اس سے تازگی کا احساس پیدا ہوگا ۔

☆ جلد کو تر و تازہ رکھنے کیلئے عرقِ گلاب میں سوتی کپڑا بھگو کر اس سے اپنا چہرہ صاف کریں ۔

کیل مہاسوں کا علاج

اگر چہرے پر پہلے سے سوزشی مہاسے یا داغ دھبے موجود ہیں تو ایسی صورت میں درج ذیل طریقے معاون ثابت ہو سکتے ہیں ۔

☆ رات سونے سے پہلے نیم کی تازہ پتیوں کا عرق جلد پر استعمال کرنے سے کیل مہاسے بتدریج ختم ہو جاتے ہیں ۔

☆ جن مہاسوں پر سوزش ہو ان کیلئے جلد کے متاثر حصوں پر

کینو کے چھلکوں کو پانی کے ساتھ ملا کر لگانا انتہائی مفید ہوتا ہے۔

☆ ایلو ویرا ایک پودا ہے جسے کوار گندل بھی کہا جاتا ہے یہ عام طور پر گھروں میں سجاوٹی پودے کے طور پر لگایا جاتا ہے۔ ایلو ویرا زخموں کو مندمل کرنے اور ٹھنڈک پہنچانے کی خصوصیات کے لئے مشہور ہے۔ دن میں دو بار ایلو ویرا کا گودا سوزشی مہاسوں پر لگانے کی صورت میں انتہائی مفید ہے۔

☆ متاثرہ حصوں پر نیم کی پتیوں اور کھیرے کا پانی ملا پیسٹ انتہائی موثر ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ جراثیم کش بھی ہے اور گرمی کے اثر کو دور کرتا ہے۔

☆ ایسے کیل مہاسوں کی سوجن اور جلن کم کرنے کیلئے جن کے اپنے سر نہ بنے ہوں سونے سے پہلے برف کے ساتھ ان مہاسوں پر ٹکور کرنے سے بھی بہت فائدہ ہوتا ہے۔

☆ جلد کے متاثرہ حصوں پر ٹیومرک اور نمنٹ Tumeric Ornameant کا آمیزہ لگا کر چھوڑ دیں اور پندرہ بیس منٹ بعد دھولیں۔ جن خواتین اور بچیوں کے چہرے کی جلد چکنی ہو انہیں بہت زیادہ کھٹی میٹھی اور تلی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ اگر اعتدال میں رہ کر ہر چیز کا استعمال کیا جائے تو بہت سے مسائل سے بچا جا سکتا ہے۔

ٹماٹر، غذائیت سے بھرپور

سبزی بھی پھل بھی

ٹماٹر کی غذائیت اور ذائقہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کی بہت سی خوش ذائقہ اور غذائیت سے بھرپور مصنوعات تیار کی جاسکتی ہیں۔ یہ معدنیات اور وٹامنز کا بہترین ذریعہ ہے۔اس کا ایک اہم جزو (LYcopene) ہوتا ہے جس کا انسانی جلد کی تروتازگی پر بہت اچھا اثر ہوتا ہے اور قوت مدافعت بڑھانے کے لئے بہت اہم ہے۔

ٹماٹر اور خوبصورتی

ٹماٹر جلد کو صحت منداور جوان رکھنے میں بے حد معاون ثابت ہوتا ہے یہ ہر عمر اور ہر قسم کی جلد والوں کے لئے نعمت ہے۔ایک پکے ہوئے لال ٹماٹر کو تھوڑی دیر کے لئے فریزر میں رکھ دیں۔ جب یہ ذرا جمنے لگے تو نکال کر چھیل لیں اور اسکا مساج چہرے پر ہلکے ہلکے کریں۔تقریباً پانچ منٹ تک ٹماٹر کو چہرے پر ملتے رہیں بعد ازاں اسے پانچ منٹ تک خشک ہونے دیں پھر اپنا چہرہ تازہ پانی سے دھولیں۔ یہ چہرے کے کھلے ہوئے مساموں کو بند کریگا، چہرے کی بہترین کلینزنگ کرنے کے ساتھ ساتھ کسی حد تک بلیک ہیڈز بھی نکالتا ہے اور چہرے کی جلد کے مُردہ خلیوں میں نئی تازگی پیدا کرتا ہے۔کیل مہاسے کم کر کے چہرے سے داغ دھبے صاف کرتا ہے۔ٹماٹر کی غذائی اہمیت اور ذائقہ کے پیش نظر اس کو وافر پیداوار کے دنوں میں محفوظ کیا جاسکتا ہے جس کے طریقے درج ذیل ہیں۔

ٹماٹر کی پیسٹ

اجزاء:۔ٹماٹر کی پیسٹ ایک کلوگرام، سوڈیم بینز ووایٹ ایک گرام، پوٹاشیم میٹابائی سلفائیٹ ایک گرام۔

ترکیب:۔ٹماٹروں کے رس کو اتنا پکائیں کہ گاڑھا ہو جائے اور اسکا تیسرا یا چوتھا حصہ باقی رہ جائے اس طرح پیسٹ تیار ہو جاتی ہے۔سوڈیم بینز ووایٹ اور پوٹاشیم میٹابائی سلفائیٹ کو تھوڑی سی پیسٹ میں علیحدہ علیحدہ ملا کر باقی ماندہ پیسٹ میں اچھی طرح مکس کرنے کے بعد پلاسٹک یا شیشے کے جار میں محفوظ کرلیں اور ٹھنڈی جگہ ذخیرہ کرلیں۔

ٹماٹر کی چٹنی

ٹماٹر کی چٹنی بنانے کے لئے پکے ہوئے بے داغ سرخ رنگ کے صاف ستھرے ٹماٹر چن لیں انہیں اچھی طرح دھو کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر سٹین لیس سٹیل یا ایلومینیم کے برتن میں ڈال کر تین سے پانچ منٹ تک ابالیں اسکے بعد آٹے والی چھلنی میں ڈال کر دبائیں یا جوسر کی مدد سے بیج اور چھلکوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے گودا صاف کرلیں پانچ کلوگرام تیار شدہ ٹماٹر کے گودے کے لئے مندرجہ ذیل چیزیں درکار ہوں گی۔

اجزاء:۔ پیاز ۲۰۰ گرام، جل وتری ایک گرام، گرم مصالحہ پانچ گرام، الائچی کلاں، کالی مرچ، زیرہ ہم وزن، دارچینی تین گرام، سرخ مرچ دس گرام، نمک ۶۰ گرام، سرکہ دوسو گرام، چینی ۵۰۰ گرام۔

ترکیب:۔نمبر ا سے ۷ تک مصالحہ جات ململ کی ڈھیلی سی پوٹلی میں باندھ کر ٹماٹر کے رس میں ڈال دیں اور ساتھ ہی چالیس گرام چینی صاف کر کے اس میں ڈال کر پکانا شروع کریں جب محلول کافی گاڑھا ہو جائے تو مصالحہ جات کی پوٹلی نکال دیں اور اس میں سرکہ، نمک اور بقایا چینی ملا دیں اور اس کو اتنا پکائیں کہ تمام محلول کا چوتھا حصہ باقی رہ جائے ہر ۵ کلوگرام چینی میں ۵ گرام سوڈیم بینز ووایٹ تھوڑی سی چینی میں حل کر کے تمام بوتلوں میں بھر کر بوتلوں کو ٹھنڈی اور خشک جگہ پر سٹور کریں

احتیاطیں:

☆ کسی بھی قسم کی چٹنی بنانے کے لئے ہمیشہ اسٹین لیس سٹیل کے برتن استعمال کریں۔

☆ چٹنی کو محفوظ کرنے کے لئے جو برتن یا جار استعمال کئے جاتے ہیں ان کو ابلتے ہوئے پانی میں ۳ سے ۴ منٹ کے لئے رکھیں بعد ازاں برتنوں کو اچھی طرح خشک کریں، چٹنی ٹھنڈی کر کے جار میں بھریں۔☆

کچن کارنر

فرائیڈ چکن

اجزا: مرغی ایک کلو، سرکہ ۲ کھانے کے چمچ، سویا ساس ۳ کھانے کے چمچ، کالی مرچ ۳ ۱/۴ چائے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ، لہسن کا پیسٹ ایک چائے کا چمچ، ادرک کا پانی ایک چائے کا چمچ، سرخ مرچ ۱/۲ چائے کا چمچ، میدہ، انڈہ بریڈ کومز، تلنے کیلئے تیل۔

طریقہ: مرغی کو دھو کر اس پر چھری کی مدد سے کٹ لگا لیں۔ اب اس میں سرکہ، سویا ساس، ادرک، لہسن، نمک، کالی مرچ، لال مرچ، ڈال کر مکس کر لیں۔ مرغی کو ۴۔۳ گھنٹے فریج میں رکھ دیں۔ فریج سے نکالنے کے بعد ایک ایک پیس کو پہلے میدے میں Coat کر لیں۔ پھر انڈے میں ڈپ کر کے بریڈ کرمز لگاتے جائیں۔ جب ساری مرغی Coat ہو جائے تو ۱/۲ ۱ گھنٹے کے لئے فریزر میں رکھیں۔ پھر کڑاہی میں آئل گرم کر کے ڈیپ فرائے کر لیں۔ گولڈن براؤن ہونے پر ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

میکرونی سیلڈ

اجزا: اُبلی ہوئی میکرونی ۲ کپ، اُبلی ہوئی مرغی ۱/۲ ۱ کپ، گاجر، شملہ مرچ (دونوں کو بالکل باریک اور چھوٹا چھوٹا کاٹ لیں) ۱/۲ ۱ کپ، مایونیز ۳۔۲ کھانے کے چمچ، کیچپ ایک کھانے کا چمچ، نمک ۱/۴ ۱ چائے کا چمچ، سویا ساس ایک کھانے کا چمچ۔

طریقہ: اُبلی ہوئی میکرونی باؤل میں ڈالیں۔ اس میں باقی کے تمام اجزا شامل کر کے اچھے طریقے سے مکس کر لیں۔ فریج میں ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

پراٹھا رول

اجزا: مرغی (ہڈی کے بغیر چوکور کیوبز میں کٹی ہوئی) دو کپ، نمک حسب ذائقہ، لال مرچ پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، موٹی کٹی لال مرچ ۱/۲ ۱ چائے کا چمچ، ادرک پیسٹ ایک چائے کا چمچ، لہسن پیسٹ ایک چائے کا چمچ، ہری مرچ کٹی ہوئی ایک چائے کا چمچ، سرکہ دو کھانے کے چمچ، سویا ساس ایک کھانے کا چمچ، خشک دھنیا کٹا ہوا ۱/۲ ۱ چائے کا چمچ، مایونیز حسب ضرورت، فروزن پراٹھے ایک پیکٹ، آئل ۵۔۴ کھانے کے چمچ،

مرغی میں یہ تمام اجزا مکس کر لیں اور ایک گھنٹے کیلئے فریج میں رکھیں۔

چٹنی کیلئے: املی کا گودا ایک کپ، زیرہ ۱/۲ ۱ چائے کا چمچ، دھنیا پسا ہوا ۱/۲ ۱ چائے کا چمچ، نمک ۱/۴ ۱ چائے کا چمچ، چینی ۲ کھانے کے چمچ لال مرچ ۱/۴ ۱ چائے کا چمچ۔

ان تمام چیزوں کو ساس پین میں ڈال کر اُبال لیں۔ پانچ منٹ تک پکا کر ٹھنڈا کر لیں۔ اب اس میں تازہ دھنیا اور پودینہ (کٹا ہوا) ڈال دیں۔

طریقہ: مرغی کو ۵۔۴ کھانے کے چمچ تیل میں تیز آنچ پر stirfry کر لیں۔ توے پر بالکل ہلکا سا تیل لگا کر ایک، ایک پراٹھا تل لیں۔ پراٹھے پر پہلے مایونیز لگائیں۔ پھر پراٹھے کی ایک سائیڈ پر لمبے رخ کا چکن لگائیں۔ اس پر چٹنی لگائیں اور رول کرتے جائیں۔ اس رول کو بٹر پیپر میں لپیٹ لیں۔ رول تیار ہیں۔

سٹرابیری اینڈ کریم

اجزا: سٹرابیری (سلائسز میں کٹی ہوئی) 1½ کپ، کریم ایک پیکٹ، چینی (پسی ہوئی) ۱/۲ ۱ کپ، سٹرابیری جیلی ایک پیکٹ (جیلی پکا

کر جمالیں اور کیوبز میں کاٹ لیں) بادام اوراخروٹ (روسٹ کر کے چوپ کرلیں)۳ کھانے کے چمچ۔

طریقہ: کریم میں پسی ہوئی چینی ڈال کر اچھی طرح سے بیٹ کر لیں ۔ اب اس میں سٹرابیری اور جیلی ڈال کر مکس کرلیں ۔ اچھی سی سرونگ ڈش میں ڈال کر اوپر سے برابر کرلیں اور بادام،اخروٹ سے سجالیں۔خوب اچھی طرح سے ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

ٹی کیک:

اجزا: انڈے ۳ عدد ، چینی ایک کپ ،مکھن ۱/۲ کپ ، میدہ 1¼ کپ ،بیکنگ پاؤڈر ایک ٹی سپون ، ونیلا ایسنس ۱/۴ چائے کا چمچ ، دودھ ۳ کھانے کے چمچ آئسنگ شوگر ۲ کھانے کے چمچ ،آئل گریزنگ کے لئے۔

طریقہ: ایک باؤل میں چینی اورمکھن کو اچھی طرح بیٹ کرلیں۔اب اس میں ونیلا ایسینس ڈال کرمکس کرلیں۔اب اس میں ایک ،ایک انڈہ شامل کرتے جائیں اور بیٹ کرلیں (ایک وقت میں ایک انڈہ شامل کرنا ہے باری باری)۔میدہ چھان کر اس میں بیکنگ پاؤڈر شامل کریں ۔اب اس میدے کو دو حصوں میں مکسچر میں شامل کریں اور بیٹ کرلیں ۔آخر میں دودھ شامل کر کے اچھی طرح سے مکس کرلیں ۔ سانچے کو آئل سے گریز کرلیں اورمکسچر ڈال کر 180 پر اون میں بیک کرلیں 45-35 منٹ تک بیک کریں بیک ہونے پر ٹھنڈا کر کے سانچے سے نکالیں اور پسی ہوئی چینی اوپر چھڑک کر سرو کریں۔☆

محشرخیال

قانتہ رابعہ۔ گوجرہ

چالیس منٹ بتول کے ساتھ

ایک ایک کر کے تمام رسالے دس تاریخ تک میرے ہاتھوں میں پہنچ چکے تھے سوائے اپنے بتول کے۔ سخت بے چینی تھی حالانکہ قسمت میں ایسے کم ہی لمحات آئے کہ بتول اور دس کو مل جائے۔ سہ پہر کے ساڑھے چار بجے ایک ہوم سی امید پر ادارہ بتول میں فون کیا ''السلام علیکم.....'' عبداللہ صاحب کی آواز آئی ''وعلیکم السلام! کبھی تو رسالہ بتول دس تاریخ تک بھیج دیا کریں''۔ جواب دیا۔

''ہائیں آپ کو رسالہ نہیں ملا وہ تو دو تین دن پہلے کا بھیج دیا ہے، باقی گوجرہ میں پہنچ بھی چکا ہے''۔ عبداللہ صاحب نے حیرانی سے کہا۔

''کیا.....رسالہ بھیج دیا ہے؟'' اب میں حیران تھی

''جی'' عبداللہ صاحب نے فخریہ کہا (اللہ کرے ایسا فخر ہمیشہ قائم رہے)

ریسیور تو میں نے رکھ دیا لیکن یہ سن کر ہی دل ناتواں کو'' دلی صدمہ'' پہنچا کہ رسالہ باقی گوجرہ تک پہنچ گیا اور مجھے نہیں ملا۔ رہ رہ کر ایک ہی سوچ پر سوئی اٹک جاتی.....'' باقی گوجرہ والوں نے رسالہ پڑھ بھی لیا اور ہم.....!!''

سہ پہر تیزی سے شام میں ڈھل رہی تھی اور مغرب کی اذان میں پانچ دس منٹ تھے شوہر نامدار گھر میں داخل ہوئے تو اپنا دکھ، ان تک منتقل کیا۔ بے نیازی سے موصوف نے جواب دیا۔ ''ابھی کون سی رات ہوئی ہے ڈاک آجائے گی۔''

چہ خوب!! دل میں کہا، پہلے ڈاک شام گئے پڑتے تھے ڈاک دن دہاڑے آتی تھی اب ڈاک کے دن دہاڑے پڑتے ہیں اور ڈاک شام ڈھلے آئے گی۔

چھوٹی بیٹی ذروہ کو بھیج کر شکیلہ سے بتول ''ادھار'' منگوایا۔ حکم کی تعمیل ہوئی، چند لمحوں میں رسالہ میرے ہاتھ میں تھا۔ سرورق دیکھتے ہی منہ سے ماشاءاللہ نکلا۔ ارے، سرورق پر بشریٰ تسنیم کی ہیٹ ٹرک سے نہیں رنگوں کے امتزاج پر!!

رسالہ کی فہرست دیکھنے سے قبل قریبی مسجد سے اللہ اکبر کی اور ڈاکیے کی ''پروفیسر صاحب'' کی اکٹھی صدا آئی۔

فہرست دیکھ کر تو سرورق سے بھی زیادہ خوشی ہوئی۔ جی ہاں بالکل! اس بات پر نہیں کہ قانتہ رابعہ اور ڈاکٹر نزہت اکرام کی دو دو تحریریں ہیں بلکہ اس بات پر کہ ''شلجم کوئی عام سبزی نہیں۔'' لیجیے شلجم کے کباب اور گوبھی کے کٹلس کی ترکیب پڑھ کر اندر تک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خیر تفنن برطرف۔

اداریہ پڑھا۔ بہت جاندار لکھا ہے تاہم کشمیر ایشو اور دریائے ہنکول کی یاترا کو پہلے موضوع سے الگ ''شذرات' کی شکل میں دیتیں۔ موضوعاتی تقسیم بہت اچھا اثر ڈالتی ہے۔ کشمیر ایشو پر تو دو رائے ہو نہیں سکتیں البتہ دریائے ہنگول کی سیر پر میری رائے یہ ہے بلکہ فرمائش جمع خواہش ہے کہ اس پر ایک مفصل سا سفر نامہ لکھا جائے۔ یاد ہے جو سفر نامہ تم نے دریائے نیلم وغیرہ کے متعلق لکھا تھا.....؟؟ میں نے اسے بارہا پڑھا ہے۔ مجھے سفر نامے ویسے ہی بہت پسند ہیں لیکن قلمکار اگر صائمہ جیسی کہنہ کار ہو تو میرا دعویٰ ہے کہ دریائے ہنگول کے متعلق یہ اردو میں اپنی نوعیت کا منفرد اور پہلا سفر نامہ ہوگا انشاءاللہ۔

ایک سفر نامہ ربیعہ ندرت کا بھی ہے جسے پڑھتے ہی آپ

''عارفانہ سفرنامہ'' قرار دیں گے۔ملک کینیڈا زیارت نیاگرا فال کی،قلم ربیعہ ندرت کا .....سفر نامے میں رپورتاژ کی کیفیت غالب ہے ۔ شاباش!

طاہرہ فرحت کا، ایمان بچائے رکھنا، ایمان کے شکاریوں یعنی بابوں کے بارے میں تھا آج کل یہ وبا بہت تیزی سے پھیل رہی ہے میری دوست کی نند کی چار سونے کی چوڑیاں گم گئیں ۔جس بابے کے پاس گئے اس نے آنے بہانے چھ لاکھ بٹور لئے ۔ مجھے پتہ چلا تو میری عجیب حالت تھی ، تین لاکھ کی چوڑیوں پر ایمان بھی گیا اور چھ لاکھ بھی، مدرسات بہنوں سے میری گذارش ہے کہ دیگر موضوعات کے ساتھ شرک اور اس کی ایسی اقسام سے ضرور آگاہ کریں۔

خفتگان خاک میں اس دفعہ دو خاکے تھے ۔ایک ابو اسامہ کا جو انہوں نے اپنی منہ بولی سالی کے جواں سالہ صاحبزادے کی وفات پر لکھا۔دوسرا عالیہ حمید کا، ذرا جو تم ٹھہر جاتے .....تحریر پر ادبی رنگ غالب ہے اکثر فقروں پر مصرعوں کا گماں ہوتا ہے بالخصوص تحریر کے آخر میں شدت تاثر قاری کی آنکھیں نم کر دیتی ہے۔

فرزانہ چیمہ کے چلتے چلتے نے اس دفعہ ایک ہی خبر کا احاطہ کیا۔ بلاشبہ یہ کالم اسی ایک خبر پر بہترین تجزیہ تھا ۔فرزانہ کے قلم نے حکمرانوں کی گرفت ''چلبلے قلم'' سے کی اور ناموس رسالت میں عقیدت بھرے معطر معطر قلم کا استعمال کیا۔

محشر خیال گرمیوں میں تو حشر برپا کرتا ہے سردیوں میں شاید جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں حالانکہ ہم غریب لکھنے والے تو پڑھنے والوں کی آرا کے ہمیشہ منتظر رہتے ہیں ۔ بتول کی سرکولیشن بالفرض بیس ہزار ہو اور خط بیس بھی نہ آئیں ۔ذرا ریشو نکالیں اور پڑھنے والے پانی پانی ہو جائیں قلم کا استعمال اتنا کم ؟؟ قارئین کی زبان تبصرے کرتی ہے وہ بھی ہم تک پہنچتے ہیں لیکن قلم بھی ان تبصروں کا مقروض ہے ،بقول فرزانہ چیمہ کے'' ماڑا چنگا'' ہی سہی ! ڈاکٹر کوثر فردوس نے مسافروں کی شان بہت عمدگی سے بڑھائی ۔ابھی کچھ نکات اور بھی تھے ، چاہیں تو وہ دوسری قسط میں لا سکتی ہیں ۔

خاکے، میں عنیزہ حسن کا اپنی ساس پر''میری امی'' خاکہ شائع ہوا اچھی تحریر تھی خاکے کے تقاضوں میں اس کی شخصیت کا ایسے احاطہ کرنا ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے وہ شخصیت ''مجسم'' ہو کر آئے ۔ بہر حال اچھی کاوش تھی بلکہ ''اچھی ساسوں'' کے سلسلہ میں یہ پہلا قطرہ تھا۔اب امید کی جاتی ہے کہ اچھی ساسوں کی طرف سے بھی جواب در جواب ''میری اچھی بہو'' کے خاکے سامنے آئیں۔(واہ! کیا دل خوش کن منظر ہے)

اب اجازت..... بتول چھ بجے ملا تھا چالیس منٹ کے مطالعہ میں یہی تحریریں تھیں جن پر تبصرہ کیا باقی تحریریں جان بوجھ کر نہیں پڑھیں .....بوجھیں بھلا کیوں؟

جی.....ابھی پڑھ لیں تو ہفتے کے باقی دن کیا کریں گے اور کیا پڑھیں گے!!

ام عثمان ۔سیالکوٹ

جنوری کا بتول نظر نواز ہوا ''قران میں درج قصوں کی حکمت'' بہت پیارا مضمون ہے جس میں عظمیٰ نے قصص الانبیا میں موجود حکمتوں سے بڑی خوبصورتی سے آگاہ کیا۔

امُ عبدالمنیب صاحبہ کی ''حمد'' ان کی رب کعبہ سے خصوصی محبت کا ثبوت پیش کر رہی ہے بالخصوص آخری دو اشعار بہت پیارے لگے۔حمد کے نیچے نام ''اُم عبدمنیب'' لکھ دیا گیا ہے☆(ان کا نام یہی ہے۔مدیرہ)

''مکیں نہیں تو مکاں کیسا'' ڈاکٹر ممتاز صاحب کی انتہائی دلچسپ اور اثر انگیز تحریر ہے۔کردار بالکل زندہ نظر آتے ہیں اور تحریر کے مطالعے کے دوران قاری کا دل اپنی مٹھی میں لے لیتے ہیں۔

قانتہ رابعہ کا'' آس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا'' بہت شوق سے پڑھا تحریر انتہائی جاندار سبق آموز ہے اور قانتہ کے گہرے علم اور دینی بصیرت پر دلالت کرتی ہے اور پھر افسانے کا انجام ایسا خوشگوار تھا کہ بڑی دیر تک لب مسکراتے رہے قانتہ ! شکریہ۔ برائے مہربانی قلم کی رفتار تیز کیجئے ہم آپ کے افسانے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔

البتہ ایک بات کرنی ہے وہ یہ کہ صفحہ نمبر 41 پر ایک جملہ موجود ہے۔

''اور وہ اپنے رب سے شکوہ کررہی تھیں'' یہ جملہ کچھ ٹھیک نہیں لگتا۔لکھاری بہنیں کسی مثبت کردار سے کوئی ایسا جملہ نہ کہلوائیں جس میں ہلکا سا بھی کوئی منفی رنگ ہو۔

''بزدل اوئے'' پڑھ کر دل اداس ہوگیا شاہدہ کا احساس ہمارا بھی احساس ہے۔عنزہ بلوچ آپ کے ''شاہی چنوں'' نے بہت مزہ دیا ہماری گزارش ہے آئندہ کے لئے اچار چٹنیوں کو بھی اپنی فہرست میں شامل کریں

☆ کردار تو کوئی بھی غلطیوں سے پاک نہیں دکھایا جاسکتا ورنہ کہانی غیر حقیقی ہوجاتی ہے۔اصل بات یہ ہے کہ مثبت کو مثبت اور منفی کو منفی دکھایا جائے اور مذکورہ کہانی میں کردار کا اپنی اصلاح کر لینا اسی کے مصداق ہے(مدیرہ)

رفعت اشتیاق۔گوجرہ

جزاک اللہ بشریٰ تسنیم صاحبہ آپ نے تو قلم کے ذریعے منبر و محراب کا سا کام کر دیا آپ کا افسانہ بے حد پسند آیا جس نے ہمیں اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکنے پر مجبور کر دیا۔فروری کا بتول حسبِ معمول اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ربیع الاول کی مناسبت نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ڈاکٹر نزہت اکرام کا ہم اور ہمارا دعویٰ عشقِ رسولؐ خوب رہا۔

چلتے چلتے میں فرزانہ چیمہ صاحبہ نے ربیع الاول کے حوالے سے اور عشق رسولؐ کی داستان رقم کرنے والوں کی تصدیق کے لئے ایک سچے عاشق رسولؐ ہی کو چنا جن کو دنیا غازی علم دین شہید کے نام سے یاد کرتی ہے۔

''ذرا جو تم ٹھہر جاتے'' عالیہ حمید نے تو ہمیں بھی رُلا دیا۔کیسے پیارے رشتے کیسے پیارے محبت کرنے کے انداز۔خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کے ماموں جان کو جنت فردوس (آمین) ربیعہ ندرت صاحبہ نے قدرت کی صناعی کی بے حد دلکش تصویر کشی کی ہے۔

عظمیٰ آفرین۔کراچی

امید کرتی ہوں خیریت سے ہونگی۔بتول میرا پسندیدہ رسالہ بنتا جارہا ہے اور مجھے اپنے دوستوں کی طرح لگتا ہے۔یہ مجھے سب کچھ سکھاتا ہے۔اس میں موجود ہر کہانی،افسانہ بہت اچھا ہوتا ہے۔اس میں وہ سب موجود ہے جو کسی اچھے میگزین یا رسالے میں موجود ہونا چاہیے۔

میں ام عثمان صاحبہ (سیالکوٹ) کے سوال کا جواب دینا چاہتی ہوں ،جن بچوں کے پیٹ میں کیڑے ہوں انہیں کثرت سے امرود کھلانا چاہیے، امرود کھانے سے پیٹ کے کیڑے جسم سے باہر نکل آتے ہیں۔

سردیوں کے زمانے میں ادرک کو گڑ میں ملا کر کھایا جائے تو سردی کا اثر زائل ہوجاتا ہے اور جسم میں گرمی پیدا ہوتی ہے۔اس کے لئے ایک اور نسخہ بھی ہے سونٹھ 20 گرام گڑ100 گرام، دونوں کو پیس کر چھے، چھے گرام روز کھلائیں اس سے جسم گرم رہے گا اور زیادہ سردی لگنے کی شکایت دور ہوگی انشاءاللہ۔

مجھے ذرہ احسن کا شکریہ ادا کرنا ہے انہوں نے جو اچار گوشت کی ترکیب دی تھی وہ میں نے بنائی اور وہ اتنی مزے کی بنی کہ سب نے تعریف کی وہ ترکیب میں نے اپنی دوست کو بھی بتائی،انہوں نے بنایا تو گھر سے زیادہ مجھے وہاں سے تعریف اور دعائیں ملیں۔

برائے مہربانی ایک بات کا جواب دیجئے گا کہ کیا آپ ستاروں پر یقین رکھتی ہیں؟

☆ عظمیٰ!اقبالؒ نے فرمایا ہے

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں

بتول میگزین

فتح کا وقت

(نوشابہ احسن۔لاہور)

شیخ الاسلام احمد بن تیمیہؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' میں بیان کرتے ہیں۔

لاتعداد مسلمانوں نے جو کہ ثقہ راوی ہیں اور علم وفقہ سے بہرمند اور آزمودہ کار..... ہم سے بیان کیا کہ ساحل پر واقع قلعوں اور شہروں کے محاصرے کے دوران ایک زبردست بات وہ متعدد بار آزما چکے ہیں یہ ہمارے اپنے (ابن تیمیہ کے) زمانے کی بات ہے کہ اہل اسلام ان خطوں میں گوروں کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو اس سلسلہ میں (ثقہ عینی مشاہدں) نے ہم سے بیان کیا کہ کسی قلعے یا شہر کا محاصرہ کئے ہوئے ہمیں مہینہ مہینہ یا اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر جاتا ہے مگر وہ قلعہ یا شہر فتح ہونے کا نام نہ لیتا حتیٰ کہ ہم قلعہ لینے کی آس بھی قریب قریب کھو چکے ہوتے لیکن جب وہ لوگ کبھی رسول اللہؐ کی توہین کے مرتکب ہوتے اور آپ کی ذات و ناموس کے متعلق کچھ گستاخی کر بیٹھتے تو انکا مفتوح ہو جانا ہمیں بہت قریب لگنے لگتا۔صورتحال بیک وقت ہمارے حق میں تبدیل ہونے لگتی اور قلعے کا زیر ہونا دن دو دن کی بات رہ جاتی۔ پھر ہمیں بھرپور فتح ملتی اور دشمن کا خوب ستیاناس ہوتا ان راویوں کا کہنا ہے کہ یہ بات ہماری اس قدر آزمودہ رہی کہ جب کبھی ان بدبختوں کو رسول پاکؐ کی شان میں زبان درازی کرتے سنتے تو اگر اس کو سن کر ہمارا خون بھی کھول رہا ہوتا تو ہم اس کو فتح کی بشارت سمجھتے۔ایسی ہی روایت مجھ سے ثقہ راویوں نے عرب (شمالی افریقہ و اندلس) کی بابت بیان کی کہ وہاں بھی مسلمانوں کو نصاریٰ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آتا رہا ہے۔

(الصارم المسلول ج۲ص۲۳۳۔۲۳۴)

آج جو مجرمین ناموس رسالت پر شرمناک اور ذلیل حملے کر رہے ہیں کیا یہاں بھی امت مسلمہ کے اتحاد اور فتح کی خوشخبریاں ہماری منتظر ہیں؟ یقیناً زمانہ ایک نئی کروٹ لے رہا ہے اور یہ امت ایک زبردست انداز میں زمین پر اپنا کردار ادا کرنے کی جانب واپس آ رہی ہے۔اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وقت خود ہمارے اور ہمارے دشمن کے اندازے سے بڑھ کر انشاءاللہ بہت قریب آ رہا ہے۔

حیا اور نوجوان

(عفیرہ زینب۔ریاض)

''یار تم بھی کیا ہر وقت پردے دار بی بی کی طرح سمٹے رہتے ہو؟ اور توبہ ہے جب کسی خاتون سے ضرورتاً بات بھی کرنی پڑ جائے تمہیں .....تو نظریں ہیں جناب کی کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتیں!

یہ حیا نہیں پیارے بزدلی ہے اور Confidence نہ ہونے کا ثبوت ہے۔''

یہ زبیر تھا جو اپنے چھوٹے بھائی احمد کو اس کے بزدل ہونے پر لیکچر جھاڑ رہا تھا۔

یہ منظر بھی دیکھیں ..... یہ تو نبی کریمؐ تشریف لا رہے ہیں! راستے میں ایک انصاری کھڑا اپنے بھائی کو زیادہ شرم وحیا اپنانے پر ڈانٹ رہا ہے۔ نبی کریمؐ اس انصاری کے پاس جا کے رکتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''دَعْہُ'' اسے چھوڑ دو۔

''وانّ الحیاءً من الایمان''

کیونکہ حیا ایمان سے ہی ہے! (بخاری ومسلم)

حیا کا ایک رنگ آنکھ کے جھکنے میں بھی ہوتا ہے، جسے قرآن پاک ''غضّ بصر'' کا نام دیتا ہے اور اس ''غضِ بصر'' کا حکم مردوں کو عورتوں سے پہلے دیا گیا ہے!

مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں (النور)

آج کے دور میں نگاہ کی آوارگی اور بے باکی کو Confidence کا نام دے دیا گیا ہے۔ آج نوجوانوں میں یہ بیماری بہت عروج پہ ہے کہ ان کی نگاہ بے باک ہوگئی ہے۔ اس میں آوارگی اور بے ہودگی کو دیکھتے چلے جانے کی خواہش بہت بڑھ گئی ہے نتیجتاً لڑکیاں بھی شوق نظارہ دینے پر مصر نظر آتی ہیں۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بج رہی ہے۔ ہر نفس اپنا محاسب خود ہے۔

نبی کریمؐ نے فرمایا اگر تو حیا کھو دے تو جو جی میں آئے کر! اور آج جس کا جو جی چاہ رہا ہے وہ وہی کر رہا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ بھی۔ اتنی بڑی بڑی سعادتوں کے بعد بھی آپ کے Confidence نے آپ کو ہمیشہ پاکیزگی اور حیا کا گرویدہ بنائے رکھا اتنا گرویدہ کہ نبی کریمؐ نے آپ کی حیا اور پاکیزگی کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ

''فرشتے بھی عثمان سے حیا کرتے ہیں''

رسول اللہؐ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے (بخاری ومسلم)

ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ جو شخص اپنی نگاہوں کو کسی غلط، بے ہودہ، اور فحش منظر دیکھنے سے روکے رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی لذت سے آشنا کروا دے گا!

جی ہاں ...... ایمان کا بھی ذائقہ ہوتا ہے ایک فلیور ہوتا ہے۔ جیسے آپ کے فیورٹ فلیور ہوتے ہیں دنیا کا سب سے مزیدار فلیور ایمان کا فلیور ہے کیوں نہ اسے Try کر کے دیکھیں؟

خوشی اور غم

(سعدیہ اعظم)

خوشی اور غم زندگی کی حقیقت کے دو مختلف پہلو ہیں، یہ دونوں مل کر زندگی کو جاندار بناتے ہیں دونوں کے بغیر زندگی ادھوری ہے۔ ان کو سمجھ کر ہی زندگی کی حقیت تک رسائی ممکن ہے۔ ہمیں خود کو اس قابل بنانا ہوگا کہ ہم خوشی کے ساتھ غم کو برداشت کر سکیں۔

سورہ الم نشرح میں بیان ہے ''بے شک ہر تنگی کے بعد آسانی ہے''۔

کبھی کبھی ہم اپنی خوشی کی دنیا میں اتنا محو ہو چکے ہوتے ہیں کہ جب اچانک غم کی پرچھائیں اس پر پڑتی ہے تو انسان خود کو سنبھال نہیں سکتا وہ اندر سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ اس کیفیت سے بے خبر تھا جب خواہشات کی تکمیل نہیں ہوتی تو زندگی مایوسی کا شکار ہو جاتی ہے اور غم جیسی کیفیت کو برداشت کرنے کی سکت ہم میں باقی نہیں رہتی ہم میں جینے کی آرزو نہیں رہتی اور زندگی سے نجات کی خواہش ابھرتی ہے۔

لیکن کچھ لوگ اس جذبہ غم کو اپنا کر اور مضبوط ہو جاتے ہیں اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر پھر سے چلنا سیکھ لیتے ہیں ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ غم سے ٹوٹ نہ جائیں بلکہ غم کے اس بھیانک ماضی کو بھول کر خوشیوں کے مستقبل کے لئے کوشش کریں کیونکہ خوشی وہ منزل ہے جو غموں کے سفر کے بعد ملتی ہے۔ جو خوشی کا متلاشی ہے اسے غم کے سفر سے گزرنا ہی پڑتا ہے کوئی بھی منزل آسانی سے نہیں ملتی اور زندگی کے اس سفر کی بھی ایک منزل ہے جس طرح خزاں کے بعد بہار کا موسم ضرور آتا ہے اس طرح غم کے بعد خوشیوں کا موسم آتا ہے۔ بس انسان کی قوت ارادی بہت مضبوط ہونی چاہیے، کسی بھی مشکل میں گھبرانا نہیں چاہیے دل میں یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ نے ہم پر یہ آزمائش ڈالی تو ہم پر اس کی خاص نظر کرم بھی اب ہوگی ورنہ ہم ناچیز رب تعالیٰ کی قربت کے کہاں قابل ہیں اور خوشیوں میں شکر بجا لانا چاہیے کہ اس نے ہمیں اس حسین احساس سے نوازا۔

اگر میں دارالکفر میں ہوتی تو.....

(خالدہ حبیب)

اللہ کے بے شمار احسانات میں سے یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ پاکستان میں ایک مسلم ملک میں مسلم گھرانے میں پیدا ہوئی اور یہ کہ میں پیدائشی مسلمان ہوں۔ دینِ اسلام کا شعور آنکھ کھولتے ہی ماں باپ کی تربیت نے دیا۔ اگرچہ قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی توفیق کافی دیر سے ہوئی لیکن تمام بنیادی ارکان پر عمل پیرا ہونے کا نمونہ اپنے والدین کی عملی زندگی میں دیکھنے کو ہر وقت ملتا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اٹھتے بیٹھتے کان میں پڑتا۔ الحمد للہ اپنے دین سے اپنے اللہ سے اپنے نبیؐ سے محبت دل کی گہرائیوں میں بسی ہے لیکن اگر ایسے ہوتا کہ میں دارالکفر میں رہنے پر مجبور ہوتی تو.....

اگرچہ یہ ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی لیکن بہر حال اللہ اپنے بندے کے ظرف سے باخبر ہے اس پر وہ اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے جس کو وہ سمجھتا ہے کہ اٹھالے گا۔ اسے پتہ تھا کہ کسی برائی کو ہاتھ سے پکڑ کر روک نہیں سکتی۔ وہ جانتا تھا کہ میری زبان میں وہ اثر نہیں کہ وہ کسی کو برائی سے حقیقتاً روک دے۔ ہاں صرف دل سے برا جان کر ایمان کے سب سے کمزور درجے پر ہونے پر کڑھتی رہتی۔ جو کہ میں اب بھی صرف کڑھتی رہتی ہوں۔ ہاں البتہ اپنے معمولات کچھ ایسے ضرور ترتیب دیتی کہ اپنے اللہ سے تعلق کمزور نہ پڑتا دارالکفر میں بھی کہیں بھی چلے جائیں ایسے اسلامک سنٹر ضرور موجود ہیں جو اشاعتِ اسلام کا کام کرتے ہیں۔ میں کوشش کر کے اس سنٹر سے ضرور منسلک ہو جاتی۔ وہاں بہت ساری ہم خیال خواتین مل جاتیں۔ جہاں ہم قرآن ایک دوسرے کو سکھانے کے علاوہ بچوں اور خصوصاً لڑکیوں کے لئے قرآن کلاسز کا اہتمام کرتے۔ دارالکفر میں اذان کی آواز تو سننے کو نہ ملتی لیکن نمازوں کے اوقات میں اسلامک سنٹر سے ہی موسم کے مطابق معلوم کر لیتی وہاں کی عریانی بے حیائی سے دل دکھتا تو بہت نذیرا جواب اپنے ملک میں بھی اپنی مسلمان نوجوان بچیوں کو دیکھ کر دکھتا ہے لیکن مجبوراً خاموش ہی رہتی مگر اپنے آپ کو اس رنگ میں کبھی نہ رنگتی بلکہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان میرا فخر ہوتا۔ تلاش کرنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے، حلال کھانا ڈھونڈنا بھی زیادہ مشکل نہ ہوتا کیونکہ اللہ کی بے شمار نعمتیں پھلوں سبزیوں دالوں کی شکل میں ہر جگہ مل جاتی ہیں اس کی عادت بناتی۔ مشکوک ذبیحے چھوڑ دیتی۔ اگر کہیں یقینی حلال مل جائے تو اللہ کا شکر ادا کر کے ضرور کھاتی۔ عید بقرعید کے تہواروں کا ان ملکوں میں پتہ نہیں چلتا وہ بھی اپنے ملک سے رابطے سے معلوم ہو جاتا۔ ویسے تو اب میڈیا اتنا ایڈوانس ہے کہ ہر جگہ ہر معلومات پہنچ جاتی ہے۔ بقرعید پر البتہ میری کوشش ہوتی کہ پاکستان میں ہی قربانی کرا دی جائے۔ اور مال زکوٰۃ سے بھی ہمارے پاکستان میں رہنے والے قریبی رشتہ دار یا ضرورت مند ہی فائدہ اٹھائیں یا اگر یوں ہمیں ایسے ضرورت مند نظر آئیں تو ان کی مدد کھلے دل سے کرتی۔ اپنے خلق ہر مسلم غیر مسلم کے ساتھ بہترین رکھنے کی کوشش کرتی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم دارلکفر میں نہیں اپنے مسلم وطن پاکستان میں ہیں جہاں ہم آزادی سے اپنی مذہبی تعلیمات کی پابندی بھی کر سکتی ہیں اور اس کی تبلیغ بھی۔ ہمارے دلوں میں ایمان اگر پختہ ہے تو ملک کوئی بھی ہو معاشرہ کوئی بھی ہو، ہمیں گمراہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اس بات سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ جب ہم ایسے دارالکفر میں رہنے پر مجبور ہو جائیں جہاں ہر طرف فحاشی، عریانی اور بے حیائی کے مناظر دیکھنے کو ملیں تو یقیناً ہم ان کو اتنا برا نہ سمجھیں گے جتنا ہم ان سے دور رہ کر سمجھتے ہیں، اسی لئے اگر اپنے دین پر قائم رہنا ہمارے لئے دارالکفر میں ناممکن ہو جائے تو وہاں سے ہجرت کر جانا ہی بہتر ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہم مرتے دم تک دین اسلام پر قائم رہیں اور اپنے رسولؐ کی سنت ہر وقت ہمارے پیش نظر رہے آج کل جو ہمارے ملک کے حالات ہو گئے ہیں خدا نہ کرے کہ ہم اپنے ہی ملک میں بے اماں ہو کر رہ جائیں کہ ہمارے دینی شعار پردہ، داڑھی ہمارے لئے بہت بڑا الزام نہ بن کر رہ جائے۔

میری ماں جی

(سعیدہ عمران)

ہر شخص کے لئے اس کی ماں کی گود اولین پناہ گاہ ہوتی ہے جس میں چھپ کر وہ اس دنیا کے رنج والم اور سب تکالیف بھول جاتا ہے۔ بچے کے لئے کائنات میں ماں کی گود جنت کے حسین ترین تحفوں میں سے ایک ایسا تحفہ ہے کہ جس کی مثال اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی محبت سے دی ہے کہ میں انسان سے اس کی ماں سے ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہوں۔ میری ماں جی اس بھری دنیا میں میرے لئے محبت وشفقت و رہنمائی کا ایسا دریا تھی جس کا پانی شہد سے میٹھا تھا۔ میری زندگی کی کوئی بھی ایسی مشکل ہو جسے میں حل نہ کر پا رہی ہوں اس میں اس طرح رہنمائی کرتی کہ وہ مشکل میرے لئے آسانی میں بدل جاتی۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ اچھے انسانوں کو اس دنیا سے جلد واپس بلاوا آ جاتا ہے کہ ان کی وہاں بھی ضرورت ہوتی ہے۔

میری ماں بھی عرصہ آٹھ ماہ سے فالج کے مرض میں مبتلا تھیں۔ پہلا اٹیک ہلکا سا تھا۔ ان دنوں میرے میاں کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ پولیس کے محکمہ میں ہیں۔ ان کی ٹانگ فریکچر ہوگئی جسکا بعد ازاں آپریشن کر دیا گیا پہلا فالج کا اٹیک ہونے کے باوجود میری ماں جی میرے پاس آئیں تسلی دی کہ آزمائشیں انسانوں کے لئے ہی ہوتی ہیں۔

اسی دوران میں ایک بیٹی سے نوازی گئی۔ ماں جی اس وقت میرے پاس ہی رہیں اور بہت خوش تھیں مجھے ان کی طبیعت کی خرابی کا قطعاً علم نہ تھا۔ جب میری بیٹی 3 ماہ کی ہوئی تو ان پر سیریس اٹیک یکے بعد دیگرے ہوئے اور فالج کے باعث آدھا جسم مفلوج ہوگیا بعد ازاں دماغ پر حملہ ہوا مگر میری بہادر ماں نے صبر سے برداشت کیا بہت دعائیں کیں اور مسجدوں سے کروائیں مگر مسلسل آٹھ ماہ ماں جی بستر تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ ہم ماشاءاللہ نو بہن بھائی ہیں۔ سب ہی شادی شدہ ہیں۔ بہنیں ایک کے بعد دوسری مسلسل ماں جی کو سنبھالتی آئیں۔ بھائیوں نے بھی علاج میں کمی نہ آنے دی بہت خواہش تھی کہ ماں جی ایک بار اپنے قدموں پر کھڑی ہو سکیں مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ وہ کسی نہ کسی اسمِ الٰہی کا ورد رکھتیں اور قلب کے سکون کی دعائیں مانگتیں۔

19 اکتوبر 2009ء بروز سوموار بعد از نماز مغرب ان کا انتقال ہوا اس وقت میں لاہور سے امی جان کے پاس آئی ہوئی تھی۔ باقی سب نزدیک ہی تھے مگر خدا کا کرنا دیکھئے کو جو نزدیک تھے وہ ماں جی سے اس وقت دور ہو گئے ہیں اور جو دور تھی وہ ان کے پاس تھی۔ آخری وقت میں ماں جی کے پاس بڑی بھابی اور میں تھے یا بڑے بھائی جی۔

ان کو علم ہو گیا کہ نزع کا عالم ہے اس لئے بار بار ماں جی سے کلمہ پڑھنے کو کہتے اور ماں جی جو کہ دو دن سے بول نہیں پا رہی تھیں بلند آواز سے کلمہ طیب پڑھتیں۔ عصر کے وقت مجھے کہنے لگیں تم پریشان نہ ہو، نماز پڑھو اور میرے لئے دعا کرو۔ میں نے نماز ادا کرنے سے پہلے نماز حاجت پڑھی اور انکے لئے بہت دعا کی۔ مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو نماز ادا کی اور ماں جی کو اپنی گود میں سہارا دے کر لٹایا۔

ماں جی نے اس وقت بڑے بھیا سے کہہ کر چھوٹے بھیا کو بلوایا تھا۔ امی جان میری گود میں لیٹی ہوئی تھیں۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے میں بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہوں۔ مجھ سے ماں کی اتنی بے بسی دیکھی نہیں جا رہی تھی میں ان کو زم زم پلائے جاتی اور امی جان چھوٹے بھیا اور میرا ہاتھ تھام کر کہنے لگیں۔

''مجھے بھی وہ تکلیف ہے (ہارٹ اٹیک) جو حاجی صاحب (ابو جان) اور پھپھو (دادی جی) کو ہوئی تھی'' ایک دم سے منہ قبلہ رخ کر کے کلمہ پڑھنے لگیں اور سختی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں رونے لگی۔ بھائی کہنے لگے کہ نہیں ماں جی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی اچھی موت دی ہے، انہوں نے کلمہ کا ورد اتنا زیادہ کیا اب ان کی مغفرت کی دعا کرو۔ ایک وقت تھا کہ میری ماں جی کہا کرتی تھیں کہ دنیا میں کوئی چہرہ ان کی آنکھوں کو نہیں دِکھتا جو انکے باپ جیسا ہو۔ امی جان کی وفات کے بعد یہی بات میں اپنے شوہر سے کہا کرتی تھی کہ دنیا بھری ہے لوگوں سے مگر کوئی چہرہ میری ماں جیسا نہیں۔

اللہ تعالیٰ زخم بھرنے والے ہیں اس بات پر کامل یقین اس وقت آیا جب امی جان کی پہلی برسی 19 اکتوبر 2010ء کو تھی اور 20 اکتوبر 2010ء کو اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹے کی نعمت سے نوازا جس کی شکل ہو بہو میری ماں جی سے ملتی ہے۔ سب حیران تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے صبر کا کیسا حسین تحفہ اس کو دیا۔ اس کو دیکھ دیکھ کر میں خوش ہوتی ہوں اور پروردگار کا لاکھوں بار شکر ادا کرتی ہوں۔ اسی لئے اپنے بیٹے کا نام محمد یوسف رکھا کہ یہ اس دنیا میں اللہ جی کا میرے لئے حسین ترین تحفہ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم اپنے والدین سے جنت میں ضرور ملیں گے۔ اللہ ہم سب کو نیکی اور ایمان کی روشنی عطا فرمائے رکھے۔ آمین

ماں

یہ سلگتا ، سسکتا ، یہ مغموم سا
اک مہینہ ہے تیری جدائی کا ، ماں!
یہ پھر آیا ہے باندھے ہوئے اک وہ درد
جس میں پنہاں ہوا غم جدائی کا ماں!
دل میں آہ اور اشکوں کا ریلہ سا جو
ہر گھڑی یہ ہے بے تاب بہنے کو ماں!
جسم میں روح میں اک تھکاوٹ سی ہے
ہجر کی سختیوں سے جھگڑنے کی، ماں!
تھا تیرے نرم ہاتھوں کا میٹھا وہ لمس
کھو گیا جب کہیں نہ ملا پھر وہ ، ماں!
وہ تیری مامتا کی تھی چھاؤں گھنی
جب ہے اتری تو یہ تن جھلستا ہے ماں!
کیسے بے چین دل کو میں قائل کروں ؟
یہ ہے ناداں سمجھتا نہیں کچھ بھی ماں!

آمنہ سطوت کلیم۔ بہاولپور